بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ

رجسٹرڈ ای پی نمبر ۸۶۱

بدر

ہفت روزہ

قادیان

ایڈیٹر

برکات احمد راجیکی

اسسٹنٹ ایڈیٹر

محمد حفیظ بقاپوری

شرح چندہ سالانہ

چھ روپے

فی پرچہ

۲/

تواریخ اشاعت:- ۷ - ۱۴ - ۲۱ - ۲۸

نمبر ۲۵	۷ ماہ تبوک ۱۳۳۱ ہش - ۱۶ ذوالحجہ ۱۳۷۱ھ - ۷ ستمبر ۱۹۵۲ء	جلد ۱

سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کا کلام

کفر کی طاقتوں کا توڑ ہیں ہم

روح اسلام کا نچوڑ ہیں ہم

گنتیوں سے مقام بالا ہے!

ایک بھی ہوں اگر۔ کروڑ ہیں ہم

اُن سے مِلنا ہو گر تو ہم سے مِل

وصل کی وادیوں کے موڑ ہیں ہم

تم میں ہم میں مناسبت کیسی

تم مفاصل ہو اور جوڑ ہیں ہم

ہم اُمیدوں سے پُر ہیں تم مایوس

رونی صورت ہو تم ہنسوڑ ہیں ہم

بھائی عبدالرحمن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے راما آرٹ پریس امرتسر میں چھپوا کر دفتر اخبار بدر قادیان سے شائع کیا۔

سیّدنا حضرت اقدس امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی صحت متعلق تازہ اِطلاع

ربوہ۔ مورخہ ۴ ستمبر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے مدظلہ العالی بذریعہ تار اطلاع دیتے ہیں۔ کہ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی طبیعت کسی قدر بخار کی وجہ سے علیل ہے۔

احباب اپنے مقدس آقا و امام ہمام ایدہ اللہ تعالیٰ کی کامل صحت و درازیٔ عمر اور مقاصد عالیہ میں کامیابی کے لئے دعائیں فرماتے رہیں۔

کوائف قادیان

(۱) یہ خبر نہایت مسرت سے سنی جائے گی کہ جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب فاضل امیر مقامی و ناظر اعلیٰ قادیان کے نکاح ثانی کا اعلان ناصرہ خاتون صاحبہ بنت مکرم قریشی محمد یونس صاحب بریلی کے ساتھ ڈیڑھ ہزار روپیہ مہر پر مورخہ ۲۹/۸/۵۲ کو سیدنا امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے ربوہ میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہر طرح مبارک فرمائے اور مثمر ثمرات حسنہ بنائے۔ (ادارہ بدر کی طرف سے حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں اور مکرم قریشی صاحب کی خدمت میں مبارکباد پیش ہے)

(۲) مکرم بشیر احمد صاحب حافظ آبادی درویش کے ہاں مورخہ ۳۰/۸/۵۲ کو فرزند تولد ہوا۔ اللہ تعالیٰ مبارک کرے۔ اور نومولود کو خادم دین لمبی عمر والا اور والدین کے لئے قرۃ العین بنائے۔

(۳) عید الاضحےٰ یکم ستمبر کو بخیر و خوبی مسجد اقصےٰ میں پڑھی گئی۔ مستورات کے لئے پردہ کا علیحدہ انتظام تھا۔ بہت سے بیرونی احباب نے بھی قادیان میں قربانی سکے لئے رقوم بھجوائیں اور ان کی طرف سے قادیان میں قربانی کردی گئی۔ عید کے دن احمدیہ لوکل کمیٹی کے زیر انتظام کلوا جمیحا کا پروگرام رکھا گیا۔ چنانچہ بعد نماز مغرب مدرسہ احمدیہ میں سب احباب نے اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ بعض معذوروں اور مستورات کے لئے گھروں پر بھی کھانا بھجوانے کا انتظام کیا گیا۔

(۴) عید کے دوسرے روز یعنی مورخہ ۲ ستمبر کو مجلس خدام الاحمدیہ کی طرف سے ایک تقریری مقابلہ بعنوان "قربانی" کرایا گیا۔ جس میں مندرجہ ذیل درویشوں نے حصہ لیا۔

(۱) میر رفیع احمد صاحب
(۲) مولوی عمر علی صاحب
(۳) مولوی منظور احمد صاحب گھنو کے
(۴) مستری منظور احمد صاحب
(۵) ملک نذیر احمد صاحب پشاوری
(۶) چوہدری عبدالغفور صاحب

جلسہ کی صدارت مکرم شیخ عبدالحمید صاحب عاجز۔ ناظر بیت المال نے کی۔ اور ججان کے فرائض مکرم مولوی برکات احمد صاحب ناظر امور عامہ، مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب فاضل نے ادا کئے مقابلہ میں میر رفیع احمد صاحب اوّل۔ مستری منظور احمد صاحب دوئم اور مولوی عمر علی صاحب سوئم رہے جلسہ میں لاؤڈ سپیکر کا بھی انتظام تھا۔ جملہ انتظامات چوہدری بدر دین صاحب عامل معتمد اور مکرم چوہدری عبد الغفور صاحب واقف زندگی مہتمم تعلیم مجلس خدام الاحمدیہ نے کئے۔

امرت پتریکا کے دلآزار مضمون کے متعلق جماعت احمدیہ دہلی کی قرارداد

ممبران جماعت احمدیہ یو۔پی اور مشرقی پنجاب کا ایک اہم اجلاس مورخہ ۱۵ اگست کو مکرم صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ناظر دعوۃ و تبلیغ قادیان کی صدارت میں منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں ان حالات پر غور کیا گیا جو امرت پتریکا ہندی الٰہ آباد کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف توہین آمیز مضمون کی وجہ سے رونما ہوئے ہیں۔ یہ اجلاس اپنی قرارداد کے ذریعہ سے تمام عالم کے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کے اس برے طریق سے مجروح کرنیکی پوری مذمت کرتا ہے۔ اس طریق کے ذریعہ سے مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان منافرت کا بیج بویا گیا ہے۔ اور ان کوششوں کو ناکام کرنیکے لئے قدم اُٹھایا گیا ہے۔ جو ملک کے خیرخواہ لیڈر ملک کی دو بڑی قوموں کے درمیان محبت اور خیرسگالی کے جذبات پیدا کرنے کے لئے کرتے رہتے ہیں۔

یہ اجلاس جناب وزیر اعظم ہندوستان سے درخواست کرتا ہے کہ وہ متعلقہ محکمہ کو ہدایت دیں۔ کہ وہ اس شخص کو جو اس شرارت اور توہین کا مرتکب ہوا ہے عبرتناک سزا دے تاکہ آئندہ پیشوایان مذاہب کی عزت محفوظ رہے۔ خاکسار بشیر احمد مولوی فاضل پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ دہلی۔

درخواستہائے دعا

میرا اور میرے بھائی سید آفتاب احمد صاحب کا امتحان ۱۵ ستمبر کو شروع ہو رہا ہے۔ برادرم سید آفتاب احمد صاحب امسال آئی۔اے۔ایس (I.A.S) کے امتحان میں شامل ہو رہے ہیں۔ تمام احباب جماعت اور بزرگان سلسلہ سے درخواست ہے۔ کہ وہ ہماری کامیابی کے لئے خاص طور پر دعا فرمائیں۔ خدا تعالیٰ ہمیں ہر میدان میں کامیابی عطا فرمائے۔ اور خدمت سلسلہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سید سجاد احمد رانچی (بہار)

بھائی عبدالغنی صاحب کی زوجہ اول بعارضہ سل و دق بیمار ہیں۔ علاج جاری ہے۔ احباب کرام و بزرگانِ سلسلہ سے دردمندانہ درخواست ہے۔ کہ اُن کی شفایابی کے لئے دعا فرمادیں

خاکسار سید حمید الدین احمد
از جمشید پور

یوم سعید

از مکرم مرزا برکت علی صاحب اسسٹنٹ سول انجینئر سابق امیر جماعتہائے عراق و ایران

چند اشعار مورخہ ۶ رجون ۱۹۵۱ء کو بروز عید مسجد سلیمان (ایران) میں کہے گئے۔ ان میں سے بعض بغرض اشاعت پیش ہیں۔ (مرزا برکت علی)

دن عجب ہم پر چڑھا ہے آج کا
لوگ کہتے ہیں کہ ہے یوم سعید!

کس طرح ہو عید ان ایام میں
دور ہیں جب من پیرا دُ من یرید!

مجھ غریب الوطن کا ہے بس خدا
ہے توکل تجھ پہ اور تیری امید!

قادیاں والوں کی بھی کیا عید ہے
جن کے ایوانوں سے ہے راحت بعید!

عید کے ہیں منتظر خورد و کلاں!
کب طلوع ہوتا ہے ان پر ماہ عید

دل حزیں ہیں اس غم و فرقت میں سب
ختم کر دے ہجر کی مدت مدید!

صاف کر دے دل ہمارے میل سے
دور رکھ ہم سے تو شیطان مرید!

اے خدا کر تو دعاؤں کو قبول
اور ہم پر جلد لا "یوم سعید"

لے حضرت امیر المومنین ایدہ

امرت پتریکا کے دلآزار مضمون کے متعلق مجلس خدام الاحمدیہ کراچی کا اجتماع

مجلس خدام الاحمدیہ کراچی کا یہ اجلاس منعقدہ ۲۴ اگست ۱۹۵۲ء ہندوستان کے اخبار "امرت پتریکا" الٰہ آباد کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ اور دلآزار کلمات کی سخت مذمت کرتا ہے اور انتہائی غم و غصہ کے ساتھ اظہار کرتا ہے کہ اخبار نے فخر الانبیاء۔ خیر الرسل۔ خاتم النبیین۔ شاہ دو عالم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ رویہ اختیار کر کے نہ صرف ہندوستان کے مسلمانوں بلکہ دنیائے عالم کے ہر مسلمان کے جذبات کو مجروح کیا ہے۔ مجلس کا یہ اجلاس صدر حکومت ہند اور وزیر اعظم ہند سے پُرزور درخواست کرتا ہے۔ کہ وہ اخبار "امرت پتریکا" کے ایڈیٹر اور پبلشر کے خلاف سخت سے سخت کارروائی فرمائیں۔ نیز استدعا کرتا ہے۔ کہ آئندہ اس قسم کی کمینہ اور شنیع حرکات کے وقوع پذیر ہونے کا انسداد کریں!

خاکسار
عبدالوہاب جنرل سکرٹری مجلس خدام الاحمدیہ کراچی انجمن احمدیہ بندر روڈ کراچی

نا مذہبی جمہوریت

سی۔پی کے گورنر ڈاکٹر سیتا رامیہ جو مشہور کانگرسی لیڈر بھی ہیں نے عید کی تقریب پر ایک تقریر کرتے ہوئے کہا۔ کہ:۔

"ہندوستان کے غیر مسلموں کو چاہیئے کہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کو آزاد جمہوری ملک کا معزز شہری تصور کریں اور یہ سمجھیں۔ کہ تمام شہریوں کے لئے ایک ہی قانون ہے۔ اور ان کے حقوق و فرائض میں مساوات ہے۔ اگر لا مذہبی حکومت کے کچھ معنی ہو سکتے ہیں۔ تو وہ یہی ہیں۔ ایسی اسٹیٹ میں ہر شہری کو عقیدہ۔ عبادت کلچر زبان۔ مذہب اور فلسفہ کی مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے اور ہونی چاہیئے"۔

جن خیالات کا جناب گورنر صاحب نے اظہار کیا ہے۔ وہ بالکل بجا ہیں۔ اور نا مذہبی جمہوریت کی روح کے عین مطابق ہیں۔ انہی خیالات کا اظہار متعدد بار ہمارے وزیر اعظم جناب پنڈت جواہر لال نہرو فرما چکے ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ جب بھی ان اصولوں کو عملی صورت دینے کا موقعہ آتا ہے۔ تو ارباب بست وکشاد کا ایک حصہ ان کو بالکل طاق نسیان میں پھینک دیتا ہے بے شک عوام کی ذہنیت اور کردار پر کافی اثر ہندو مہا سبھا اور جن سنگھ جیسی متعصب۔ تنگ نظر اور فرقہ وارانہ جماعتوں کا بھی پڑتا ہے اور اسی وجہ سے بعض جگہوں میں کئی دفعہ مسلمانوں پر زمین باوجود فراخی کے تنگ ہو جاتی ہے اور ان کی مال۔ جان اور عزت کا اتلاف بھی ہوتا ہے لیکن سوچنے والی بات تو یہ ہے۔ کہ جن کے ہاتھ میں اختیار اور طاقت ہے۔ اور جو ملک میں سیکولرازم کے نمائندے اور کارندے ہیں۔ انہوں نے اس متعصبانہ ذہنیت اور کردار کو روکنے کے لئے اور کس حد تک مؤثر اقدام کیا ہے۔ یا وہ آئندہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ صرف نامذہبیت اور جمہوریت کی گاہے گاہے تعریف کر دینے سے یا پبلک میں ایک آدھ بیان دے دینے سے لوگوں کی ذہنیت بدل جائے گی۔ یا ارباب اختیار اقلیتوں کے ساتھ اپنا سلوک بدل لیں گے۔

در حقیقت یہ حکومت کا کام ہے۔ کہ وہ اپنی پالیسی کو مؤثر رنگ میں چلانے کے لئے مناسب ہدایات جاری کرے۔ اور ان ہدایات کی تعمیل کرانے کے لئے خاص طور پر نگرانی کرے۔ اور جہاں کبھی کسی افسر سے اس بارہ میں کوئی کوتاہی سرزد ہو یا کوئی ایسی حرکت ہو جو سیکولرازم کے منافی ہو تو اس پر سختی سے نوٹس لے۔

اردو زبان کے متعلق جس میں مسلمانان ہند کا اکثر مذہبی لٹریچر ہے۔ اور جو ہر لحاظ سے ہندوستان کی لنگوا فرینکا بننے کی اہلیت رکھتی ہے۔ جو سلوک روا رکھا گیا ہے۔ اس تعلق میں کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے بعض اور نمایاں باتیں بھی ہیں۔ جو مسلمانوں کے مذہبی فرائض میں روک ڈالنے والی ہیں۔ لیکن ان کے متعلق خود حکومت کے افسران بھی بعض اوقات صحیح کارروائی نہ کر کے فرقہ وارانہ جماعتوں کو مسلمانوں کے خلاف پراپیگنڈا کرنے اور ان کے حقوق کو تلف کرنے کی جدوجہد کو اور بھی زیادہ تیز کرنے کا باعث بن جاتے ہیں۔ مثلاً

اسی عید الاضحیٰ کے موقعہ پر جس میں جناب گورنر صاحب سی۔پی نے سیکولرازم کی تعریف فرمائی خود ان کے اپنے صوبہ میں ہی یونیورسٹی کے امتحانات کی تاریخیں اس طریق پر مقرر کی گئیں کہ مسلمان طلباء عید المبارک کی نماز میں شامل نہ ہو سکتے تھے۔ اور آخر بڑی تگ و دو کے بعد کسی قدر سہولت دی گئی۔ لیکن مشرقی پنجاب میں بھی جہاں ابھی تک بعض اضلاع میں کافی تعداد مسلمانوں کی پائی جاتی ہے حکومت پنجاب اور یونیورسٹی پنجاب نے مسلمانوں کے مذہبی فریضے کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ اور پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات کی ایسی تاریخیں مقرر کیں۔ کہ ہندی کا ایک پرچہ عین عید المبارک کے دن رکھا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قادیان کے پانچ احمدی مسلمان امتحان کی وجہ سے عید کی تقریب میں شمولیت سے محروم ہو گئے۔ اور یہی حال مشرقی پنجاب کے اور مسلمان امیدواران امتحان کا ہوا ہوگا

اسی ضمن میں ایک اور مثال بھی دی جانی مناسب ہو گی۔ رسالہ "تھم انڈیا" بمبئی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نہایت دلآزار اور گستاخانہ مضمون لکھا۔ لیکن اب تک اس کے خلاف کوئی مؤثر قدم حکومت کی طرف سے نہیں اٹھایا گیا۔ معلوم ہوا ہے۔ کہ بمبئی کے ایک سرکاری ترجمان نے بیان دیا ہے۔ کہ حکومت بمبئی تھم انڈیا کے توہین آمیز مضمون کو ناشائستہ تو سمجھتی ہے۔ مگر اپنے ماہرین قانون کے مشورہ سے اسے خلاف قانون نہیں سمجھتی۔ لہٰذا اس کے خلاف مقدمہ نہیں چلا سکتی۔

اگر یو۔پی کی حکومت "دشمنہ شریعت" کے مسلمان ایڈیٹر کے خلاف اس قسم کی غلطی کی وجہ سے مقدمہ چلا سکتی ہے۔ اور اس کو دو سال قید اور جرمانہ کی سزا دلوا سکتی ہے تو کیا وجہ ہے۔ کہ حکومت بمبئی کو مسلمانوں کی دلآزاری کا مداوا قانون میں نہیں ملتا۔ کم از کم یہ تو کیا جا سکتا تھا۔ کہ اس دفعہ کے ماتحت تھم انڈیا کے ایڈیٹر کے خلاف مقدمہ دائر کیا جاتا . . . .

. . . . جس کی رو سے ملک کے دو طبقوں کے درمیان منافرت پھیلانے والے کو مجرم قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ کام اسی صورت میں مؤثر طور پر ہو سکتا ہے کہ حکومت بمبئی کے متعلقہ افسران بھی سیکولرازم کا مفہوم پورے طور پر اپنے ذہن میں رکھیں۔

اسی تعلق میں ایک اور مثال بھی دی جانی ضروری معلوم ہوتی ہے۔ قادیان ضلع گورداسپور میں اس وقت چار صد کے قریب احمدی مسلمان رہتے ہیں۔ وہ ہر طرح سے امن اور پابند قانون ہیں۔ چونکہ قادیان کی تحصیل بٹالہ اور ضلع گورداسپور ہے۔ اور ان ہر دو مقامات پر ان کو وقتاً فوقتاً اپنی ضروریات کے لئے جانا پڑتا ہے۔ اس لئے ان کی طرف سے سرکار کو درخواست دی گئی تھی۔ کہ بٹالہ اور گورداسپور میں ایک ایک مسجد جو موزوں جگہ پر ہو ان کے سپرد کر دی جائے۔ تاکہ وہ نماز کا فریضہ خوش اسلوبی سے ان مقامات پر بھی ادا کر سکیں۔ (اب نمازوں کی ادائیگی کے لئے بہت دقت کا سامنا ہوتا ہے کبھی پارکوں میں نماز ادا کرتے ہیں۔ اور کبھی گاڑیوں اور ریلوے پلیٹ فارم یا ویٹنگ روم میں) یہ ایک جائز مذہبی مطالبہ تھا۔ مسجدیں مسلمانوں کی ہیں۔ اور مسلمانوں کو ہی مذہبی فریضہ کی ادائیگی کے لئے دینے کی درخواست تھی۔ یہ مساجد از روئے قانون الاٹ بھی نہیں ہو سکتیں۔ اور پناہ گزینوں کا ان میں رہائش اختیار کرنا نہ صرف مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانے والا ہے۔ بلکہ حکومت کی واضح پالیسی کے بھی خلاف ہے۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ مسلمانانِ قادیان کا یہ جائز اور مذہبی مطالبہ بھی سرکار نے منظور کرنا پسند نہیں کیا۔ حالانکہ قادیان کے یہ مسلمان ملک کے باقاعدہ شہری ہیں۔ اور شرنارتھی بھی نہیں۔ اور سیکولرازم میں ان کے لئے ویسے ہی حقوق مساجد میں ہونے چاہئیں جیسے ہندو قوم کے کسی فرد کے کسی مندر میں یا سکھ قوم کے کسی فرد کے گوردوارہ میں۔ لیکن افسوس ہے کہ قادیان کے مسلمانوں کے ان جائز مذہبی حقوق کی بجاآوری کا خیال نہیں کیا گیا۔

امید ہے کہ مندرجہ بالا حقائق پر ارباب حکومت ضرور توجہ فرمائینگے تاکہ ہماری نامذہبی جمہوریت نہ صرف اصولی لحاظ سے ہو۔ بلکہ عملی لحاظ سے بھی ملک کی ہر قوم اور طبقہ کو مساوی حقوق اور مراعات حاصل ہوں۔

خدام الاحمدیہ کی مالی ذمہ واریاں

جیسا کہ جملہ زعماء اور قائدین صاحبان مجلس خدام الاحمدیہ جماعتہائے احمدیہ ہندوستان کو اخبار "بدر" کے ذریعہ معلوم ہو چکا ہے مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی نئے سرے سے تشکیل ہو چکی ہے۔ اور اب بفضلہ تعالیٰ باقاعدہ کام شروع ہو چکا ہے۔ امید ہے کہ جملہ بیرونی مجالس بھی نئے عزم اور نئے ولولوں کے ساتھ اپنے پروگرام کو پورا کرنے کے لئے کمربستہ ہو جائیںگی جن مجالس کی طرف سے تاحال نئے سال کے بجٹ موصول نہیں ہوئے۔ ان کے قائدین صاحبان کے نام بجٹ فارم بغرض تکمیل بذریعہ ڈاک بھجوائے جا رہے ہیں۔ متعلقہ عہدیداران سے درخواست ہے۔ کہ وہ اپنی اولین فرصت میں بجٹ تیار کر کے مرکز میں واپس ارسال فرما دیں۔ اور اس کے مطابق چندہ (حصہ مرکز ۳/۴ حصہ) بھی باقاعدہ ہر ماہ کی دس تاریخ تک مرکز میں ارسال فرماتے رہا کریں۔

(مہتمم مال مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ قادیان)

خطبہ جمعہ

تم میں سے ہر ایک کو سمجھ لینا چاہیئے کہ احمدیت اور اسلام کا احیاء اور بقا اسی کے ذمہ ہے

تم نے اجتماعیت کا بہت اعلیٰ نمونہ دکھایا ہے۔ اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ انفرادیت کا نمونہ بھی دکھاؤ

ربوہ میں مکانات تعمیر کرانے میں احباب احتیاط سے کام لیں

از سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

فرمودہ ۱۵ اگست ۱۹۵۲ء بمقام ربوہ

مرتبہ سلطان احمد صاحب پیر کوٹی

سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

آج میں

دو باتوں کے متعلق

کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ جن میں سے ایک لوکل معاملہ ہے آجکل یہاں بہت سے لوگ مکانات بنا رہے ہیں اور عام طور پر ہماری جماعت میں غلط طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ مرکز میں رہنے والے یا مرکز سے وابستگی رکھنے والے سارے کے سارے بڑے بزرگ اور نیک ہوتے ہیں۔ اور اگر انہیں روپیہ دے دیا جائے۔ تو ان کے خیال میں وہ بہت محفوظ ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ مکہ اور عرب میں بھی گذشتہ صدیوں میں بدو کثرت سے پائے جاتے تھے۔ اور اب بھی پائے جاتے ہیں۔ خود رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ میں بعض منافق لوگ پائے جاتے تھے۔ یہ کروڑوں کروڑ روپے کا جو کام ہو رہا ہے۔ اس میں بے احتیاطی کرنا جماعت کے لئے تو فائدہ مند نہیں ہو سکتا۔ اور خود اس شخص کے لئے بھی نقصان دہ ہے۔ جو روپے کے معاملہ میں دوسرے پر محض اس لئے اعتماد کر لیتا ہے کہ وہ

مرکز میں رہنے والا ہے

اگر تم ۵ یا دس ہزار روپے کا مکان بناتے ہو تو جہاں تک تمہارا تعلق ہے یہ کوئی معمولی رقم نہیں۔ تم معمولی حیثیت کے آدمی ہو۔ ۵۰ - ۶۰ یا ۷۰ روپے ماہوار کی تمہاری آمد ہے۔ اگر مکان کی بجائے معمار اور نجار تمہارے سامنے ایک ڈھانچہ کھڑا کر دیتے ہیں۔ اور پانچ ہزار درمیان والا آدمی یا معمار اور نجار کھا جاتے ہیں۔ تو اسکے معنی یہ ہیں کہ اگر یہ روپیہ تم نے دس سال میں جمع کیا تھا۔ تو وہ درمیان والا آدمی یا معمار اور نجار تمہاری دو سال کی کمائی کھا گئے۔ لیکن تم جانتے بوجھتے انہیں دو سال تو الگ رہے اپنی ایک ماہ کی کمائی دینے کے لئے بھی تیار نہیں تھے۔ گویا خود

تمہارے نقطۂ نگاہ کے لحاظ سے

بھی یہ بات نہایت اہم ہے۔ پھر جب کوئی شخص کچھ رقم کھا جاتا ہے تو اسے مکان کی شکل تو دکھانی پڑتی ہے۔ اسے یہ دکھانا پڑتا ہے کہ اس نے کوئی چیز بنا دی ہے۔ اس لئے وہ ہر چیز میں کھوٹ رکھتا ہے۔ اور پھر یہ عمارت ہر سال ٹوٹتی پھوٹتی رہتی ہے پس وہ خالی پانچ ہزار میں سے ایک ہزار یا دس ہزار میں سے دو ہزار یا یوں کہو کہ دس سال میں سے دو سال کی کمائی نہیں کھا جاتا بلکہ

آئندہ بیس سال کے لئے

بھی تمہیں نقصان میں ڈال دیتا ہے۔ آج فلاں چیز ٹوٹ گئی تو کل فلاں چیز ٹوٹ گئی۔ ہر وقت کسی نہ کسی حصہ کی مرمت ہوتی رہتی ہے۔ اس طرح وہ آپکی بقیہ کمائی بھی کھا لیں گے۔ اور یہ کہنا کہ آپ نے ان پر اعتبار کیا تھا۔ یہ اعتبار کوئی قابلِ قدر چیز نہیں۔ لوٹنے والا یہ نہیں کہتا کہ آپ شریف آدمی تھے۔ اور آپ نے اس پر اعتبار کیا تھا۔ بلکہ وہ دل میں یہ کہتا ہے کہ ایک احمق شخص کو خوب لوٹا۔ گویا لٹتے بھی تم ہو۔ پیچھے جو کچھ تم نے کمایا تھا۔ وہ بھی اس نے لوٹ لیا۔ اور بوجہ کھوٹ کے عمارت ہر سال ٹوٹتی پھوٹتی رہی۔ اور اس کی مرمت جاری رہی۔ اس طرح تمہاری آئندہ کمائی بھی اس نے لوٹ لی۔ اور پھر بے وقوف بھی تم بنے۔ میرے نزدیک یہاں جو

عمارت بنانے والا طبقہ

ہے۔ اس میں سے ایک خاص تعداد جو شاید نصف سے بھی زیادہ ہے۔ بددیانتوں کی ہے۔ شاید ربوہ میں کسی شخص کے پاس بھی اتنا روپیہ نہیں جتنا ان لوگوں کے پاس ہے۔ اوروں کو تو جانے دو سلسلہ کا ایک مکان بنایا گیا۔ پھر خلیفہ کے نام سے بنایا گیا بلکہ اسے قصر خلافت کے نام سے بنایا گیا۔ تاکہ جو بھی خلیفہ ہو وہ اس مکان میں رہے۔ جب یہ مکان تیار ہوا۔ اور ہم نے مشورہ کیا کہ اس مکان میں تبدیل ہو جائیں۔ تو لوگوں نے کہا کہ یہ مکان بڑا ہی خطرناک ہے۔ اس میں منتقل ہونا کسی صورت میں بھی درست نہیں۔

ان کے وہم ڈالنے پر

میں نے یہ خیال کیا کہ شاید یہ لوگ رقابت کی وجہ سے ایسا کہہ رہے ہوں۔ چنانچہ میں نے دو انجنیئر لاہور سے منگوائے۔ ان انجنیئروں نے مکان دیکھنے کے بعد یہ رپورٹ کی کہ اس مکان کی چھت تو ممکن ہے دو تین دن کے بعد گر جائے۔ اور سارا خاندان اس کے نیچے دب جائے۔ ہاں اس کی دیواریں ممکن ہے۔ کچھ عرصہ کھڑی رہیں۔ لیکن لمبے عرصہ تک ان پر بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہ مکان ہر وقت ٹوٹ سکتا ہے۔ اب وہ افسر جن کی نگرانی میں عمارت تیار ہوئی۔ اور وہ معمار نجار اور ٹھیکیدار جنہوں نے یہ عمارت بنائی۔ ربوہ کے ہی رہنے والے تھے۔ جب واقف کاروں سے پوچھا گیا کہ آخر ایسا کیوں ہوا تو انہوں نے کہا کہ شاید انہوں نے صندوقوں اور پیٹیوں کی لکڑیاں لے کر دروازوں میں لگا دی ہیں مکان کے سائز کے لحاظ سے جس طاقت کی کڑیاں ہونی چاہیئے تھی۔ اس سے نصف طاقت سے بھی کم طاقت کی کڑیاں لگائی گئی ہیں۔ بعض کڑیاں تو چارپائیوں کی پٹیوں سے بھی کمزور ہیں۔ وہ چارپائی جس پر بعض اوقات دو آدمی بھی بیٹھیں تو وہ ٹوٹ جاتی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ شاید

عمارت تیار کرنے والوں نے

منڈی میں ایسی لکڑی جو بارش کی وجہ سے خراب ہو گئی تھی۔ اور اب وہ صرف جلانے کے کام آ سکتی تھی۔ سستے داموں خرید کر یہاں لگا دی ہے جب ان لوگوں نے ایسے شخص کے مکان میں دھوکہ بازی سے کام لیا جس کے ہاتھ پر انہوں نے بیعت کی ہوئی ہے۔ یا اس شخص کے مکان سے دھوکہ کیا جس کے ہاتھ پر انہوں نے آئندہ بیعت کرنی ہے۔ تو آپ ان سے دیانت داری کی کیا امید رکھ سکتے ہیں؟ پھر اس مکان کے بعض حصوں کو گرایا گیا۔ اور دوبارہ بنوایا گیا۔ اور اس کی مرمت کرائی گئی۔ اس پر ۱۸ ہزار روپیہ سے زیادہ خرچ آ گیا۔ اور خیال ہے کہ ۱۵-۱۶ ہزار روپیہ ان افسروں معماروں اور نجاروں کی جیبوں میں گیا ہے۔ جنہوں نے یہ عمارت بنائی تھی۔ جو سامان اس عمارت سے اتارا گیا۔ اس کا ایک حصہ شاید ایندھن کے کام آ سکے۔ پس بہتر ہو گا کہ باہر سے آنیوالے دوست اپنی اپنی جگہوں سے معمار ساتھ لائیں۔ کیونکہ

جو معمار واقف ہوتا ہے

وہ اس قدر دھوکہ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ اسے جانتا ہے۔ پس جو دوست باہر سے آئیں۔ اگر ان کے شہر یا قصبہ میں ان کے واقف معمار موجود ہوں تو انہیں ساتھ لائیں۔ اور ان سے عمارتیں بنوائیں اگر آپ اپنے معمار لائیں گے۔ تو ان پر آپ کا دباؤ رہے گا۔ ربوہ کے معماروں پر اعتبار نہ کیا جائے۔ ان کا

ایک حصہ بددیانت

ثابت ہوا ہے۔ اگر آپ لوگوں نے ان پر اعتبار کیا تو چند لوگ مل کر آپ کا روپیہ کھا جائیں گے ان کی وجہ سے جماعت کو کافی روپیہ عمارتوں کی مرمت پر لگانا پڑا ہے۔ کوئی عمارت ایسی نہیں جس کے متعلق کہا جا سکے کہ معماروں اور نجاروں نے ایمانداری کے ساتھ اسے کھڑا کیا ہے۔ جب ان لوگوں نے ہمارے ساتھ اس قسم کی ٹھگی کی ہے۔ تو دوسروں کے ساتھ یہ لوگ ایسا سلوک

کیوں نہیں کریں گے۔

قصر خلافت کے ساتھ

ملازمین کے لئے جو مکانات بنائے گئے ہیں یا جو باورچی خانے بنائے گئے ہیں۔ پہلی دفعہ آدھ گھنٹہ بارش ہوئی۔ تو وہ گر گئے۔ پھر ایک مہینہ میں جاکر ہم نے ان عمارتوں کو دوبارہ بنوایا ہے۔ کیا آپ نے کبھی سنا ہے کہ کوئی نئی عمارت صرف آدھ گھنٹہ کی بارش سے گر گئی ہو۔ پھر مثلاً غسل خانے ہیں۔ اگر نہانے کے لئے ان میں چلے گئے۔ تو جب کپڑے بدلنے کے لئے ساتھ کے کمرے میں آئے تو یوں معلوم ہوا کہ سارا پانی کمرہ میں پھیل گیا ہے۔ گویا بجائے اسکے کہ نالی کا رخ اس طرح بنایا جاتا کہ پانی باہر نکل جائے۔ باہر کی نالی کو اونچا بنا دیا گیا ہے۔ اس طرح پانی بجائے باہر نکلنے کے کمرہ کے اندر پھیل گیا۔ اور اندر پڑے ہوئے سامان کو اس نے گیلا کر دیا۔ ایک دفعہ ایک غسل خانے میں پانی ڈالا تو باہر نہ نکلا۔ انجینئر صاحب کو بلایا گیا۔ کہ یہ کیا بات ہے۔ ان کا اس میں کوئی قصور نہیں اُن کو یعنی سید فخر الاسلام صاحب کو بعد میں لگایا گیا ہے جب انہوں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا۔ کہ اندر کی طرف سے نالی ایک طرف بنائی ہے۔ اور باہر کی نالی دوسری جگہ بنائی ہے یعنی اندر کی نالی دیوار کے نصف حصہ تک جاکر بند ہو گئی۔ اور باہر کی نالی دیوار کے دوسرے حصہ میں بنا دی گئی۔ غرض اس

عمارت کے کام میں

اتنی حرام خوری کے ساتھ کام کیا گیا ہے کہ جس کی انتہا نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ اس کی ذمہ داری انجمن پر بھی آتی ہے۔ افسروں کا کام تھا کہ وہ نگرانی کرتے لیکن بہر حال وہ لوگ ناواقف ہیں۔ پس میں جماعت کو بتاتا ہوں کہ ان معماروں اور نجاروں نے خلافت کے نام پر ایک عمارت بنائی اور اس عمارت کو دوبارہ بنانا پڑا۔ مومن ہوشیار رہتا ہے۔ اور وہ ایک بار دھوکہ کھاکر پھر دوبارہ وہی حرکت نہیں کرتا۔ پس اگر آپ ان معماروں اور نجاروں سے کام کروائیں۔ تو ان سے اچھی طرح معاہدہ کرلیں۔ اور وہ معاہدہ امور عامہ میں رجسٹرڈ کرلیں۔ اور ان پر واضح کردیں کہ عمارت میں اگر کسی قسم کا نقص ہوا یا ان کی غفلت ثابت ہوئی، تو اس کی ذمہ داری ان پر ہوگی لیکن

سب سے اچھی بات یہ ہے

کہ ہو سکے تو معمار اور نجار اپنے ساتھ لائیں۔ اُن لوگوں کے آپ کے ساتھ تعلقات ہوں گے اس لئے وہ آپ کا کام اچھی طرح کریں گے۔ یہ بات میں خاص طور پر اس لئے کہہ رہا ہوں۔ کہ ایک دوست میرے پاس آئے۔ اور انہوں نے کہا کہ کیا آپ کی طرف سے ایسی کوئی روک تو نہیں کہ ہم معمار اور نجار باہر سے لے آئیں۔ میں نے انہیں کہا۔ اگر آپ کاریگر ساتھ لائیں تو بجائے اس کے کہ ہم اس میں کوئی روک پیدا

کریں ہم آپ کو جزاکم اللہ احسن الجزاء کہیں گے۔ پس یہ اتنی بڑی رقوم جو خرچ ہو رہی ہیں یا آئندہ خرچ ہونے والی ہیں۔ ان کے متعلق آپ احتیاط سے کام لیں پہلے اس قسم کے اعتراضات آرہے ہیں۔ کہ ہمیں کاریگروں نے لوٹ لیا ہے۔ جب اس قسم کی ٹھگیاں خود صدر انجمن احمدیہ کے ساتھ ہو رہی ہیں۔ تو آپ لوگ تو باہر سے آئے ہیں۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کے ساتھ یہ ٹھگیاں کیوں نہ ہوں گی۔ آپ اپنے روپیہ، عقل اور عزت کی حفاظت کریں۔ یہ لوگ آپ کا روپیہ کھاکر گھروں میں ہنس رہے ہوں گے کہ فلاں شخص کو ہم نے خوب اُلو بنایا ہے۔ آپ کا روپیہ ہی ضائع نہیں ہوگا۔ بلکہ گھروں میں بھی اس کا چرچا ہوگا۔ اور جب یہ لوگ مرغ پلاؤ اور قورمے کھا رہے ہوں گے تو کہہ رہے ہوں گے۔ ہم نے فلاں کو خوب اُلو بنا کر ٹھگا ہے۔ پس تم

احتیاط سے کام کرو

جہاں تک ہو سکے تم اپنے ساتھ کام کرنے والے لاؤ۔ اگر ربوہ کے معماروں اور نجاروں سے ہی کام کروانا پڑے۔ تو ان سے معاہدہ کرو۔ یہ معاہدہ امور عامہ میں رجسٹرڈ کراؤ۔ تا اگر کوئی شرارت ہو تو وہ پکڑے جائیں۔ ورنہ لفظوں کے ہیر پھیر میں پھنس کر رہ جائیں گے۔ میں نے وقت کے لحاظ سے بھی دیکھا ہے کہ مزدور بہت کم وقت کام میں لگاتے ہیں۔ ۱۹۲۴ء میں انگلستان میں دس گھنٹے کام کا وقت مقرر تھا۔ لیکن جہاں پانچ چھ گھنٹے کام کا وقت ہوتا ہے۔ دنیا میں ایسا کہیں نہیں ہوتا۔ اول تو کام کرتے وقت ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ایک اینٹ لگاتے ہیں تو گھنٹی دو اس پر پھوں پھوں کرتے رہتے ہیں۔ مزدور آٹھ منٹ میں ایک اینٹ پکڑتے ہیں۔ پھر کر سیدھی کرتے ہیں۔ پھر اُسے الٹا پلٹا کر دیکھتے ہیں۔ پھر اُسے اوپر اُٹھاتے ہیں اور لہراتے لہراتے معمار کے پاس پہنچتے ہیں۔ جب معمار کے پاس پہنچتے ہیں۔ تو

بڑے تکلف کے ساتھ

اینٹ رکھتے ہیں۔ پھر راج اینٹ اُٹھاتے ہیں۔ اُسے اُلٹ پلٹ کر دیکھتے ہیں۔ اور پھوں پھوں کرتے ہیں۔ اور پھر وہ اینٹ دیوار میں لگاتے ہیں۔ گویا ایک اینٹ لگانے میں پندرہ پندرہ منٹ لگا دیئے جاتے ہیں۔ پس اول تو کام میں حرام خوری کرتے ہیں۔ پھر وقت بھی پورا نہیں لگاتے۔ سب ممالک میں مختلف کاموں کے اوقات مقرر ہیں۔ مثلاً انگلستان میں کانوں کے اندر کام کرنے والوں کے لئے ۴۸ گھنٹے ہفتہ میں مقرر ہیں۔ اور جو زمین سے باہر کام کرنے والے ہیں ۴۸ گھنٹوں سے لے کر مختلف کاموں میں ان کے اوقات بڑھتے جاتے ہیں۔ مکانوں پر چوکیداری

کرنے والوں اور پہرہ دینے والوں کے لئے آٹھ سے دس گھنٹے تک مقرر ہیں۔ میں جب انگلستان گیا۔ تو اس چیز کو وہاں دیکھا۔ ہم نے مکان پر ایک لڑکا ملازم رکھا ہوا تھا۔ وہ گھر کا کام کرتا تھا۔ اور ڈاک باہر اور اندر لاتا تھا۔ وہ دس دس بارہ بارہ گھنٹے سٹول پر بیٹھا رہتا تھا۔ مکان کے دروازے بند رہتے تھے۔ جونہی گھنٹی بجتی وہ دروازہ کھول کر اندر آجاتا۔ پس امور عامہ کو

اوقات کی تعیین

کرنی چاہیئے۔ پھر کام کی مقدار کی تعیین کرنی چاہیئے کہ معماروں کی فی جوڑی اتنا کام کرے یا ترکھان اتنے وقت میں اس قدر کام کرے۔ پھر اگر ان کے پاس مقدمہ آئے تو اس کے مطابق فیصلہ کیا جائے اسی طرح گانٹھوں اور سوراخوں والی لکڑی کے متعلق یہ فیصلہ کر دیا جائے۔ کہ اگر لکڑی میں گانٹھیں یا سوراخ ہوئے تو ہم اسے رد کر دیں گے۔ تم اسے جہاں چاہو بیچ لو۔

دوسری بات

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالے نے انسان کے اندر دو طاقتیں پیدا کی ہیں۔ ایک طاقت انفرادیت کہلاتی ہے اور ایک طاقت اجتماعیت کہلاتی ہے۔ اللہ تعالے نے انسان کی فطرت میں یہ بات رکھدی ہے اور اس کے دماغ کا ایک حصہ اس طرح بنا دیا ہے کہ وہ اس قسم کی طاقتیں ظاہر کرتا ہے جو مل کر کام کرتی ہیں۔ اور انسان ان میں اتنا کمال حاصل کر لیتا ہے کہ وہ طاقتیں آپس کے اتحاد کے ساتھ انتہا کی ترقی پر پہنچ جاتی ہیں۔ اسی طرح ایک طاقت انفرادیت کی ہے کہ انسان الگ ہو کر بھی بڑے سے بڑا کام کر جاتا ہے اور اس میں اتنا نام پیدا کر لیتا ہے کہ دنیا حیران رہ جاتی ہے۔

انسان کی اصل پیدائش

تو اجتماعیت کے لحاظ سے ہے۔ اللہ تعالے نے انسان کو مدنی الطبع بنایا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی بعثت کی غرض یہی تھی۔ کہ آپ بنی نوع انسان کو آپس کے تعاون کے ساتھ کام کرنے کی عادت ڈالیں۔ لیکن ہر زمانہ کے لحاظ سے ضرورتیں بدلتی رہتی ہیں۔ اسی طرح خدا تعالیٰ نے انسان کے اندر انفرادیت بھی پیدا کی ہے اور اس لحاظ سے بھی وہ ایسے مقام پر جا پہنچتا ہے کہ لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ پھر بعض لوگوں کے اندر انفرادیت اور اجتماعیت دونوں روحیں پائی جاتی ہیں۔ اور وہ ان میں کمال کو جا پہنچے ہیں مثلاً رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ نے جب دعوے کیا۔ تو آپ اکیلے تھے۔ آپ کی

انفرادیت کا کمال

یہ تھا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی کہا گیا۔ کہ جا اور فرعون کو تبلیغ کر۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کہا گیا۔ کہ جاؤ اپنی قوم کو تبلیغ کرو۔ خدا تعالے کی نظر میں دونوں میں اس قسم کی قابلیتیں موجود تھیں۔ اس لئے جب اس نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا۔ جاؤ اور فرعون کو تبلیغ کرو۔ تو اکیلے موسیٰ علیہ السلام کو کہا۔ اور جب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کہا کہ جاؤ۔ اور اپنی قوم کو تبلیغ کرو۔ تو اکیلے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا۔ یہ موقع محمد رسول اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی انفرادیت کے امتحان کا تھا۔ جو حکم موسے علیہ السلام کو ملا۔ وہی حکم محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ملا۔ پھر جس حالت میں وہ حکم موسیٰ علیہ السلام کو ملا۔ اسی حالت میں محمد رسول اللہ علیہ وسلم کو ملا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اکیلے تھے۔ اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی اکیلے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی ایک قوم اور جماعت کی طرف بھیجا گیا۔ جسے آپ نے مخاطب کرنا تھا۔ اور

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو بھی ایک قوم کی طرف بھجوایا گیا۔ جسے آپ نے مخاطب کرنا تھا۔ لیکن حضرت موسے علیہ السلام کو جب حکم دیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اے اللہ میں تیار ہوں۔ لیکن یہ کام ایک آدمی کا نہیں۔ تو میرے بھائیوں اور رشتہ داروں میں سے ایک شخص کو میرے ساتھ کر دے تا ہم دو ہو جائیں۔ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی انفرادیت پر پورا بھروسہ نہ کرتے ہوئے

ایک ساتھی

کا مطالبہ کیا۔ اگرچہ ایک ساتھی مل جانے سے اجتماعیت نہیں بن جاتی۔ لیکن تاہم اتنی ڈھارس ضرور ہو جاتی ہے کہ میں اکیلا نہیں۔ بلکہ میرے ساتھ ایک اور ساتھی بھی ہے۔ لیکن وہی حکم انہی حالات میں ویسے ہی ایک آدمی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کہا اور انہوں نے ہرگز کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ اے اللہ میرے رشتہ داروں یا دوستوں میں سے کوئی ایک ساتھی میرے ساتھ کردے۔ بلکہ وہ حکم ملتے ہی کھڑے ہو گئے۔ اور کہا کہ بہت اچھا اور کام شروع کر دیا۔ گویا انفرادیت کا کمال تھا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر پایا جاتا تھا۔ یوں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی ایک لحاظ سے

انفرادیت کا مظاہرہ

کرنے والے تھے . . .

. . . جب موسیٰ علیہ السلام کو الہام ہوا تو آپ بھی اکیلے تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو الہام ہوا تو آپ بھی اکیلے تھے۔ اسی طرح دوسرے انبیاء کو جب الہام ہوا تو وہ بھی اکیلے تھے۔ لیکن وہ جرأت بہادری اور دلیری جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دکھائی وہ کسی اور نے نہیں دکھائی پس انفرادیت کے لحاظ سے بھی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کمال حاصل تھا۔ اور اجتماعیت کے لحاظ سے بھی آپ کو کمال حاصل تھا۔ جس طرح خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ایک جماعت دی عیسیٰ علیہ السلام کو ایک جماعت دی۔ نوح علیہ السلام کو ایک جماعت دی۔ ابراہیم علیہ السلام کو ایک جماعت دی۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک جماعت دی۔ اور اس وقت آپ کو یہ بتانے کا موقعہ ملا کہ آپ کو

اجتماعیت کے لحاظ سے

بھی کمال حاصل تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی اجتماعی حیثیت کی تاریخیں موجود نہیں لیکن تھوڑے بہت واقعات جو ملتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بے شک انہوں نے اجتماعیت کے بہت اعلیٰ نمونے دکھائے۔ لیکن وہ نمونے اس شان کے نہیں تھے جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دکھائے۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ برابر کی تکالیف اٹھائیں۔ مصائب برداشت کئے اور قربانیاں کیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ برابر کی تکالیف اُٹھائیں۔ مصائب برداشت کئے اور قربانیاں کیں۔ مگر جو اجتماعی احساس ہمیں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں نظر آتا ہے وہ موسیٰ علیہ السلام میں نظر نہیں آتا۔ وہ عیسےٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء میں نظر نہیں آتا۔ اگر

حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کی بھی وہی شان ہوتی جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تھی تو ان کی تاریخی زندگی میں بھی اس قسم کے واقعات کا ذکر آتا جس قسم کے واقعات کا ذکر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تاریخ میں آتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جب خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر ملی کہ اب آپ کی وفات قریب ہے۔ جب آپ کی بیماری لمبی ہو گئی۔ اور آپ کو نظر آنے لگا کہ اب میری وفات کا وقت آگیا ہے۔ تو آپ نے صحابہؓ کو بلایا اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ جس طرح تم ایک انسان ہو میں بھی ایک انسان ہوں ممکن ہے ہمارے ساتھ کام کرنے کے دوران میں مجھ سے ایسی غلطی ہو گئی ہو جو اپنے بھائی کے متعلق مجھ سے نہیں ہونی چاہیئے تھی۔ اس لئے میں اس وقت سب سے یہ کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے کسی کو میں نے اپنی زندگی میں کوئی تکلیف دی ہو جس کا میں نے معاوضہ نہ دیا ہو تو وہ آج مجھ سے اس کا بدلہ لے لے۔ قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے سامنے نہ لے

صحابہؓ کی نظر میں

تو یہ فقرات سن کر دنیا تاریک ہو گئی۔ کیونکہ جہاں محمد رسول اللہ علیہ اللہ وسلم کی نگاہ میں یہ تھا کہ میں بھی ایک انسان ہوں۔ میں بھی قوم کا ایک فرد ہوں۔ اور مجھ پر بھی وہی ذمہ داریاں ہیں جو قوم کے ایک دوسرے فرد پر ہیں۔ وہاں صحابہؓ کی نگاہ میں یہ تھا کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قوم کے سورج ہیں۔ آپ قوم کے چاند ہیں۔ آپ ان کے سروں کے تاج ہیں۔ وہ آپ کی جوتیوں کی خاک کے برابر بھی نہیں۔ ان کا کام ہے کہ وہ آپ پر اپنی جان و مال اور عزت قربان کر دیں۔ دونوں کے احساسات الگ الگ تھے۔ صحابہؓ محمد رسول اللہ علیہ وسلم کو اس نگاہ سے دیکھتے تھے کہ آپ ان کے سردار ہیں۔ اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے آپ کو اس نگاہ سے دیکھتے تھے کہ آپ باقیوں کی طرح قوم کے ایک فرد ہیں۔ یہ سن کر صحابہؓ پر ایک قیامت آگئی۔ اور ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو اپنے آنسوؤں کو روک سکے۔ اتنے میں

ایک صحابیؓ آگے بڑھا

اور اس نے کہا یا رسول اللہ مجھے آپ سے ایک دفعہ ایک تکلیف پہنچی تھی جس کا آپ نے ابھی تک بدلہ نہیں دیا۔ آپ نے فرمایا ہاں ہاں بتاؤ۔ وہ کیا تکلیف تھی اس صحابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ فلاں لڑائی میں جب صفیں باندھی جا رہی تھیں آپ صفیں سیدھی کرا رہے تھے۔ کہ آپ کو اگلی صف میں ٹیڑھا پن نظر آیا۔ آپ جلدی سے آگے گئے اور آپ کی کہنی مجھے لگی۔ یہ وہ تکلیف ہے جو آپ سے مجھے پہنچی۔ اور آپ نے اس کا بدلہ دیا۔ اس بیماری کی حالت میں جس کے متعلق صحابہؓ سمجھ رہے تھے کہ کمزوری اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ اب موت قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کی موت کی خبر دے چکا تھا۔ آپ نے فرمایا ہاں آگے آؤ اور مجھ سے بدلہ لے لو۔ تم میری کمر پر کہنی مار لو۔ اس صحابیؓ نے کہا نہیں یا رسول اللہ جب آپ کی کہنی مجھے لگی تھی۔ تو میرا جسم ننگا تھا۔ اور آپ کے جسم پر کپڑا ہے۔ آپ نے صحابہؓ سے فرمایا میرے جسم پر سے کپڑا اٹھا دو۔ تا یہ شخص مجھ سے اپنی تکلیف کا بدلہ لے لے صحابہؓ کے دلوں کے حال تو تم سمجھ سکتے ہو جن کی میانوں سے اس وقت تلواریں نکل رہی ہوں گی کہ وہ اس گستاخ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ مگر جب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم سے کپڑا اٹھایا گیا تو وہ صحابیؓ

پرنم آنکھوں کے ساتھ

آگے بڑھے اور آپ کی پیٹھ پر انہوں نے بوسہ دیا اور عرض کیا یا رسول اللہ کس کم بخت کو یہ خیال بھی آ سکتا ہے کہ وہ آپ سے اپنی تکلیف کا بدلہ لے میں نے خیال کیا کہ آپ کی وفات کی گھڑی قریب آگئی ہے خبر نہیں کہ آپ کے جسم مبارک کو چھونے کا پھر کبھی موقع ملے یا نہ ملے۔ میں نے کہا چلو اس موقعہ سے فائدہ اُٹھا لوں۔ تم سمجھ سکتے ہو کہ جن لوگوں کے میانوں سے تلواریں نکل رہی تھیں کہ اس گستاخ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ اب ان کا دل چاہتا ہو گا کہ وہ اپنے آپ کو کوڑے ماریں۔ اس لئے کہ انہیں یہ بات کیوں نہ سوجھی۔ غرض آپ کو

انفرادیت کا وہ اعلےٰ مقام

حاصل تھا کہ خدا تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیتا ہے کہ جاؤ اور فرعون کو تبلیغ کرو تو وہ ایک ساتھی کی درخواست کرتے ہیں۔ لیکن انہی حالات میں وہی حکم آپ کو دیا جاتا ہے تو آپ ساتھی کا مطالبہ نہیں کرتے بلکہ اکیلے ہی اس حکم کی تعمیل میں لگ جاتے ہیں۔

پھر آپ کو

اجتماعیت کا وہ بلند مقام

حاصل ہے کہ آپ کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو آپ صحابہؓ کو بلاتے ہیں اور فرماتے ہیں میں تم سے دوش بدوش لڑا ہوں۔ اگر مجھ سے زندگی میں کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو تم مجھ سے بدلہ لے لو۔ میں بھی تمہاری طرح امت محمدیہ کا ایک فرد ہوں۔ پس انفرادیت اور اجتماعیت کا جو کمال محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا۔ وہ کسی اور کو حاصل نہ تھا۔ مگر بہرحال ہر انسان میں یہ مادہ تھوڑا بہت پایا جاتا ہے۔ مگر قومیں اجتماعیت میں دوسروں سے بڑھ جاتی ہیں۔ ہٹلر اور نپولین۔ لینن اور سٹالن دنیا میں آئے۔ انہوں نے اپنی اپنی قوم کے اندر اجتماعیت کی روح پیدا کر دی تھی۔ لیکن انفرادیت کی روح کو انہوں نے کچل ڈالا تھا۔ انہوں نے اپنی قوم میں یہ روح پیدا کر دی کہ تم سب مل کر کام کرو اور قوم کی خاطر ہر قسم کی قربانیاں کرو۔ تم اپنی زندگی کو ختم کر دو اور قوم کی زندگی کے سامان پیدا کرو۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان لوگوں نے قوم کے افراد کے دلوں میں جس کے لئے انہوں نے قربانیاں کیں۔ حد درجہ کی محبت پیدا کر لی تھی۔ لیکن فطرت کے اس جوہر کو جو انفرادیت کے رنگ میں انسان کے اندر پایا جاتا تھا ان لوگوں نے ضائع کر دیا۔ جب

نپولین کو شکست ہوئی

تو اس کی فوج کے کچھ سپاہی ایک جگہ کھڑے تھے۔ ان کے ایک طرف جرمن فوجیں آگے بڑھ رہی تھیں اور دوسری طرف انگریز فوجیں پیش قدمی کر رہی تھیں۔ ان سپاہیوں کو ایک جرنیل نے کہا تم یہاں کیوں کھڑے ہو۔ انہوں نے کہا گولہ بارود ختم ہو چکا ہے۔ اس جرنیل نے کہا پھر تم دوڑ کیوں نہیں ؟ تو ان سپاہیوں نے کہا نپولین نے ہمیں دوڑنا نہیں سکھایا۔ اس نے ہمیں صرف لڑنا سکھایا ہے۔ ان سپاہیوں کا یہ کہنا کہ نپولین نے انہیں لڑنا سکھایا ہے دوڑنا نہیں سکھایا۔ اجتماعیت کی اعلےٰ درجہ کی روح تھی۔ خدا تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر دوڑنے کا مادہ رکھا ہے لیکن اجتماعیت نے ان کو اتنا مغلوب کر دیا تھا کہ انہوں نے کہا کہ ہمیں دوڑنا نہیں آتا۔ لیکن جہاں تک انفرادیت کا سوال ہے وہ ان میں نہیں پائی جاتی تھی ہٹلر اور نپولین کے وقت میں ان قوموں نے اجتماعیت کے نمونے بیشک دکھائے لیکن انفرادیت ان میں نہیں پائی جاتی تھی ۱۹۳۳ء میں

ہٹلر برسر اقتدار آیا

اور ۱۹۳۹ء میں جنگ شروع ہوئی۔ گویا چھ سال کے قلیل عرصہ میں اس نے ایک غلام قوم کو ایسے بلند مقام پر لا کھڑا کیا کہ اس کے افراد میں سے ہر ایک اپنے آپ کو بھول گیا۔ اور قوم کو آگے لے آیا۔ لیکن جب وہ وقت آیا کہ ان کی اجتماعیت کے مقابلہ میں کئی قومیں آگئیں تو وہ انفرادیت میں ہار گئے۔ جس طرح انفرادیت کا وقت آیا تو نپولین کے سپاہیوں نے کہا ہمیں لڑنا سکھایا ہے۔ دوڑنا نہیں سکھایا اسی طرح ہٹلر کی قوم نے بھی کہا کہ ہٹلر نے ہمیں اجتماعیت سے باہر ہو کر کام کرنا نہیں سکھایا۔ لیکن انگریزوں کو دیکھو ان میں سے ایک ایک آدمی کس کس جگہ جا گھسا اور وہاں جا کر اس نے ان لوگوں کو بغاوت پر اُکسایا۔ انہیں اُبھارا اور شور مچا دیا اور یہ چیزیں بالآخر ہٹلر اور نپولین جیسے جرنیلوں کی شکست کا موجب ہوئیں۔ انگریز قوم انفرادیت کو بالا رکھتی ہے۔ ہر انگریز کے اندر یہ احساس پایا جاتا ہے کہ وہی قوم ہے اور اگر اسے اکیلے کام کرنا پڑا تو وہ کام کرے گا۔ قومیں

امن کی حالت میں

اور شرارت کی ابتداء میں اجتماعی طاقت سے فائدہ اٹھاتی ہیں۔ لیکن اگر شرارت لمبی ہو جاتی ہے تو پھر انفرادیت کام کرتی ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی جب شرارت بڑھ گئی۔ تو آپ نے اجتماعیت کو توڑ دیا اور اپنے ساتھیوں کو کہا کہ حبشہ چلے جاؤ۔ اور بعض کو آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کر جانے کا ارشاد فرمایا پھر انہوں نے اپنی اپنی جگہ اکیلے کام کیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہی انفرادیت اجتماعیت کی شکل اختیار کر گئی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت کا دور شروع ہوا۔ صحابہؓ پر کچھ ابتلا آئے۔

صحابہ رضہ کو بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اجتماعیت اور انفرادیت دونوں چیزیں سکھائی تھیں۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضہ خلیفہ ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضہ ایسے خاندان سے نہیں تھے۔ جو حکمران خاندان ہو۔ بے شک آپ ایک شریف خاندان کے فرد تھے۔ لیکن وہ خاندان ایسا نہیں تھا۔ کہ دوسرے خاندان اس کی ماتحتی برداشت کریں آپ رضہ کے والد کا نام ابو قحافہ رضہ تھا

ابو قحافہ رضہ

فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے۔ اور وہ بھی رسمی طور پر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے۔ تو آپ کی وفات کی خبر مکہ میں بھی پہنچی۔ ابو قحافہ رضہ بھی اس مجلس میں بیٹھے تھے۔ کہ جس میں پیغامبر نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سنائی۔ عرب لوگ پراگندہ تھے۔ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آ کر انہیں ایک نظام کے ماتحت کر دیا جس طرح اس شخص کی زندگی ان کے لئے نرالی تھی۔ اسی طرح اُس کی وفات بھی ان کے لئے نرالی تھی۔ انہوں نے کہا کہ اب کیا ہو گا؟ اس شخص نے کہا۔ ہو گا کیا۔ ایک شخص خلیفہ بن گیا ہے۔ اور اُس نے نظام کو دوبارہ قائم کر دیا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ عربوں کی تلوار اس میانوں سے باہر نکل آئی ہوں گی۔ اور قتل و غارت شروع ہو گئی ہو گی۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کس شخص کو خلیفہ منتخب کیا گیا ہے۔ تو پیغامبر نے کہا۔ ابوبکر رضہ کو خلیفہ منتخب کیا گیا ہے۔ ابو قحافہ کو اس بات پر یقین نہ آیا۔ انہوں نے خیال کیا کہ میرا بیٹا خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ کوئی اور ابوبکر رضہ ہو گا۔ جس کی طاعت سب عرب قبائل نے قبول کر لی ہے۔ چنانچہ انہوں نے دوبارہ دریافت کیا۔

کون ابوبکر رضہ

اُس شخص نے کہا۔ وہی ابوبکر رضہ جو آپ کا پرانا ساتھی اور دوست تھا۔ ابو قحافہ رضہ نے پھر دریافت کیا۔ کس کا بیٹا؟ تو اُس شخص نے کہا کہ تیرا بیٹا۔ ابو قحافہ رضہ کے لئے یہ عجیب بات تھی۔ عرب قبائل آزاد تھے۔ غیور تھے اور اپنے سے چھوٹے آدمی کی اطاعت نہیں کرتے تھے۔ لیکن سب عربوں نے حضرت ابوبکر رضہ کو مان لیا۔ اور خون ریزی کے بغیر مان لیا۔ یہ بات ابو قحافہ کیلئے نہایت عجیب تھی۔ اس لئے انہوں نے دوبارہ دریافت کیا۔ کہ کیا بنو ہاشم نے ابوبکر رضہ کی بیعت کر لی ہے؟ اُس شخص نے کہا۔ ہاں۔ ابو قحافہ نے پھر کہا کیا بنو عبد المطلب نے ابوبکر رضہ کی بیعت قبول کر لی ہے؟ اُس شخص نے کہا ہاں۔ ابو قحافہ نے جب یہ سنا کہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسیہ

کیوجہ سے عربوں میں اجتماعیت اس حد تک آ گئی ہے کہ ایک شخص جو حاکم قوم میں سے نہیں سب قبائل اس کی بیعت کیلئے تیار ہو گئے ہیں۔ اور انہوں نے بلا چون و چرا اس کی بیعت کر لی ہے۔ تو بیساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہٗ و رسولہ آج میرا دل مان گیا ہے۔ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعی خدا تعالےٰ کے رسول تھے۔ اگر سارے قبائل میرے بیٹے کی بیعت کیلئے تیار ہو گئے۔ تو یہ کام ایک رسول کے سوا کوئی اور نہیں کر سکتا۔ گویا عربوں نے اجتماعیت کا نہایت اعلیٰ نمونہ دکھایا۔ پھر جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر عرب میں پھیلی۔ تو نئے مسلمان مرتد ہو گئے۔ اور وہ مدینہ پر چاروں طرف سے حملہ کر کے آ گئے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کو اپنی زندگی میں شام کی طرف جانے کا حکم دیا تھا جسکی روانگی آپکی وفات کیوجہ سے رُک گئی تھی۔

حضرت ابوبکر رضہ نے

خلافت کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اس لشکر کو شام کی طرف روانہ کر دیا صحابہ رضہ نے اسبات کو بُرا منایا اور کہا۔ مدینہ اس وقت ننگا ہو گیا ہے۔ اور یہ بوڑھا شام کیطرف لشکر بھیج رہا ہے۔ انہوں نے حضرت عمر رضہ کو کہا۔ کہ ابوبکر رضہ کو سمجھاؤ۔ شاید اس بوڑھے نے حالات کی نزاکت کو نہیں سمجھا چنانچہ حضرت عمر رضہ آپؓ کے پاس گئے۔ اور کہا۔ کیا آپ نے لشکر کو شام کی طرف جانے کا حکم دیا ہے؟ حضرت ابوبکر رضہ نے فرمایا۔ ہاں حضرت عمر رضہ نے کہا کہ میرا اور صحابہؓ کا مشورہ یہ ہے۔ کہ آپ اس لشکر کو روک لیں۔ کیونکہ چاروں طرف سے اس قسم کی خبریں آ رہی ہیں۔ کہ دشمن مدینہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ نئے مسلمان کثرت سے

مرتد ہو گئے ہیں

اور بہت تھوڑی جگہیں ایسی رہ گئی ہیں جہاں پرانے مسلمان ہیں۔ اس حالت میں لشکر کا بھیجنا اچھا نہیں جس طرح حضرت ابوبکر رضہ کی جان خطرہ میں تھی۔ اسی طرح حضرت عمر رضہ کی جان خطرہ میں تھی اسی طرح حضرت عثمان رضہ کی جان خطرہ میں تھی۔ اسی طرح حضرت علی رضہ حضرت طلحہ رضہ اور حضرت زبیر رضہ کی جانیں خطرہ میں تھیں اسی طرح ان کے بیوی بچوں کی جانیں خطرہ میں تھیں پھر اسی طرح جو لشکر روانہ ہو رہا تھا۔ اُنکی بیوی بچوں کی جانیں خطرہ میں تھیں۔ اس وقت ہر ایک شخص یہ سمجھتا تھا۔ کہ اس وقت اسے اپنے گھر کے سامنے کھڑے ہو کر لڑنا چاہیئے۔ اور اپنے بیوی بچوں کی جانیں بچانی چاہئیں لیکن حضرت ابوبکر رضہ نے فرمایا۔ ابو قحافہ کے بیٹے کی کیا طاقت ہے۔ کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے لشکر کو روک سکے۔ پھر جب ایسی خبریں آنی شروع ہوئیں کہ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ اور انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے۔ کہ ہمارا روپیہ مدینہ کیوں جائے۔ نجد کا روپیہ نجد میں خرچ ہونا چاہیئے۔ بحرین کا روپیہ بحرین میں خرچ ہونا چاہیئے۔ مدینہ اپنے اخراجات کا خود انتظام کرے ہم روپیہ علاقہ سے باہر نہیں جانے دیں گے۔ تو صحابہؓ نے

آپس میں مشورہ کیا

اور حضرت عمر رضہ کو حضرت ابوبکر رضہ کے پاس بھیجا حضرت عمر رضہ نے کہا۔ وقت نازک ہے۔ آپ لوگوں کو کچھ وقت کیلئے ڈھیل دیدیں۔ آہستہ آہستہ ان میں اسلام آ جائیگا تو وہ زکوٰۃ دیدیں گے حضرت ابوبکر رضہ نے فرمایا۔ عمر رضہ تم وہ بات کہتے ہو۔ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے نہیں کہی۔ خدا کی قسم اگر یہ لوگ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں اونٹ باندھنے کی رسی بھی بطور زکوٰۃ دیا کرتے تھے۔ تو میں ان سے وہ رسی بھی لیکر چھوڑونگا۔ اگر کوئی شخص زکوٰۃ نہیں دیگا۔ تو اس سے میں اسوقت تک لڑونگا۔ یہانتک کہ میں مارا جاؤں یا وہ مارے جائیں۔ عمر رضہ اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے؟ اگر دشمن مدینہ کی تمام عورتوں کو مار دے اور کتے ان کی لاشیں مدینہ کی گلیوں میں گھسیٹتے پھریں تب بھی میں ڈرونگا نہیں۔ اب دیکھو مدینہ خطرہ میں گھرا ہوا ہوتا ہے ہر مسلمان کا گھر بار اور اس کی عزت خطرہ میں ہوتی ہے لیکن حضرت ابوبکر کے منہ سے یہ فقرات نکلتے ہیں۔ تو ہر مسلمان

آمنا و صدقنا کہہ کر

اطاعت پر تیار ہو جاتا ہے۔ یہ اجتماعی روح کا کمال تھا۔ پھر اسلام پر وہ زمانہ آیا۔ جب خلافت کے پرخچے اُڑ گئے اب مسلمانوں کیلئے انفرادیت دکھانے کا وقت آیا۔ اور اس میں بھی انہوں نے کمال کر دکھایا۔ کوئی ایران چلا گیا کوئی افریقہ کے صحراؤں کی طرف چلا گیا۔ اور کوئی چین چلا گیا۔ آجکل جو کروڑوں کروڑ مسلمان ان ممالک میں موجود ہیں۔ وہ انہی لوگوں کی اعلیٰ درجہ کی انفرادیت کا نمونہ ہیں۔ پس صحابہ کو جہاں انفرادیت میں کام کرنا سکھایا گیا تھا۔ وہاں اجتماعیت میں بھی انہوں نے کام کیا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے۔ کہ ایک سردار کے ماتحت کس طرح کام کیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی جانتے تھے کہ فرداً فرداً کام کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اب بھی بمبئی میں ایسے صحابہؓ کی قبریں موجود ہیں۔ جو اس وقت ہندوستان آئے اور یہاں تبلیغ اسلام کی۔

خدا کی قدرت ہے

کہ سندھ میں جہاں ہم نے زمین خریدی ہے۔ خصوصاً جہاں میری زمین ہے۔ وہاں ایک جگہ دیبہ صحابو کہلاتی ہے۔ اسجگہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہاں کسی صحابیؓ کی قبر ہے۔ جب صحابہ رضہ نے دیکھا کہ خلافت کے ماتحت جو نظام چلا تھا۔ وہ درہم برہم ہو گیا ہے۔ تو انہوں نے خیال کیا۔ کہ اب وقت کیوں ضائع کیا جائے وہ دنیا میں پھیل گئے۔ اور مختلف ممالک میں جا کر انہوں نے اشاعت اسلام کی۔ پس ہماری جماعت کو یہ دونوں طاقتیں

اجتماعیت اور انفرادیت

اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں۔ لبا اوقات اجتماعیت کمزور پڑ جاتی ہے۔ تو اس وقت انفرادیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر ہر جگہ فتنہ و فساد برپا ہو جاتا ہے اور مرکز سے تمہارے تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں تو اس وقت ہر احمدی اپنی ذات میں مرکز احمدیت ہونا چاہیئے۔ اور اُسے سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ احمدیت کا جھنڈا اُس کے ہاتھ میں ہے اُسے یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ جب وہ آ کر دوسرا [illegible] اس وقت اُسے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ [illegible] تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ اُس وقت اس کا گھر [illegible] ہونا چاہیئے اُس وقت اُس کا گھر قادیان ہونا چاہیئے اور جس طرح خلافت کا نظام ٹوٹ جانے کے بعد صحابہؓ نے ایک ایک گھر کو مدینہ بنا لیا۔ اور جب تفرقہ ہوا۔ تو ہر مسلمان نے یہ عزم کر لیا۔ کہ وہ

اسلام کا جھنڈا

نیچے نہ ہونے دے گا۔ اسی طرح تم نے اجتماعیت کی حالت میں نہایت اعلےٰ نمونہ دکھایا۔ تم تھوڑے تھے۔ تم نے اپنے پیٹ کاٹے۔ اور معمولی آمدنوں میں سے ایک حصہ اشاعت اسلام کے لئے دیا۔ تم نے چندے دیئے۔ اور جماعت نے مبلغ تیار کئے پھر جماعت نے ان مبلغوں کو دیانت کے ساتھ بیرونی ممالک میں بھیجا۔ جماعت نے تمہارے روپیہ کو اعلیٰ طور پر استعمال کیا۔ یہاں تک کہ دنیا میں احمدی جماعت کی دھوم مچ گئی۔ اور دشمنوں نے بھی اقرار کیا کہ پچھلے تیرہ سو سال میں مسلمانوں نے وہ کام نہیں کیا۔ جو اس چھوٹی سی جماعت نے ایک قلیل عرصہ میں کر دیا ہے۔ پس تم نے

اجتماعیت کا نہایت اعلیٰ نمونہ

دکھایا ہے۔ اب تم نے انفرادیت کا بھی نمونہ دکھانا ہے۔ بہت سے احمدی گھبرا کر میرے پاس آتے ہیں۔ تو میں انہیں یہی کہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک خلیفہ کا قائم مقام ہے۔ تم میں سے ہر ایک [illegible] کا مرکز ہے تم میں سے ہر ایک کو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ احمدیت اور اسلام کا احیاء اور نفاذ اسی کے ذمہ ہے۔ تم میں سے

ہر ایک کا گھر احمدیت کا مرکز ہے

جس سے احمدیت کا نور دنیا میں پھیلے گا۔ تم نے اجتماعیت کا بہت اعلےٰ نمونہ دکھایا ہے۔ اب خدا تعالےٰ چاہتا ہے۔ کہ تم انفرادیت کا نمونہ بھی دکھاؤ۔ اگر مخالفت بڑھ جائے۔ تو تم مرکز سے مشورہ کے بغیر یہ مدعا اپنے سامنے رکھ کر اسلام کو پھیلانا ہے۔ احمدیت کی اشاعت کرنا ہے۔ تمہیں یہ عزم کر لینا چاہیئے۔ کہ اگر تمہارے چاروں طرف دشمن کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بھی ہوا۔ تو تمہاری گردن نیچے نہیں ہو گی۔ تم چپ نہیں ہو گے۔ بلکہ اسلام اور احمدیت کے پیغام کو مرتے دم تک لوگوں تک پہنچاتے چلے جاؤ گے۔

قربانی اور اس کا فلسفہ

(۱)

از مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب مولوی فاضل قادیان

امید ہے کہ قربانی اور اسکے فلسفہ کے موضوع پر مکرم مولوی صاحب کا مندرجہ ذیل مضمون احباب کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ عید الاضحیٰ یا عید قربان گذشتہ دنوں گذری ہے۔ اس موقعہ پر یہ مضمون احباب کے لئے انشاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔ (ایڈیٹر)

قربانی کا لفظ اصل میں عربی لفظ ہے۔ جو قربان سے نکلا ہے۔ اور قربان کے معنی قرب کے ہیں۔ اس طرح اسکے معنی کسی کا قرب حاصل کرنے کے بھی ہیں۔

عربی زبان میں یہ لفظ اس چیز کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ جس کے ذریعہ سے اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل کرنا مدنظر ہو۔ قربانی کا رواج ابتدائے آفرینش سے چلا آتا ہے۔ اور قریبًا ہر مذہب میں اس کا پتہ ملتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک بڑی ضروری چیز ہے۔ اسلام نے بھی قربانی ضروری قرار دی ہے۔ اور اپنے ماننے والوں کو اس سے محروم نہیں رکھا۔ بلکہ اسے عالمگیر بنا دیا ہے۔

ہندوستان میں بھی قربانی کا کثرت سے رواج رہا ہے چنانچہ اشومیہ یگیہ وغیرہ مشہور چلے آتے ہیں مگر آج کل ہندوستان میں اس کا رواج نہیں رہا۔ اور نہ نئے فیشن کے دلدادہ ہندو اس کی طرف مائل ہیں مگر پرانے زمانہ میں اس کا رواج تھا۔ اسلام نے اس قربانی کی اہمیت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ دیگر مذاہب میں روحانیت اور خدا کے قرب کے حصول کے لئے یہ چیز ضروری قرار دی گئی تھی۔ اور اسلام میں بھی اس کا رکھا جانا ضروری تھا۔ اس لئے اسلام نے بھی قربانی پر زور دیا ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا۔ یعنی ہم نے قربانی کا رواج ہر قوم میں رکھا تھا۔ گویا دیگر احکام کی طرح قربانی بھی ضروری قرار دی گئی تھی۔ اسلئے یہ ناممکن تھا۔ کہ اسلام اسے ترک کر دیتا۔ اس نے بھی اسے ضروری احکام میں شامل کیا ہے۔ منسک کے لفظ میں دیگر احکام کی طرح قربانی کا مفہوم بھی موجود ہے۔ یہ قربانی بھی بطور عبادت و اطاعت کے سمجھی جاتی ہے۔ غرضیکہ قربانی عبادت کا جزو لاینفک ہے۔ قرآن کریم نے تو یہاں تک بتایا ہے کہ قربانی کا رواج حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے چلا آتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم آدم کے دو بیٹوں کے متعلق فرماتا ہے کہ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ۔ کہ ان میں سے ایک کی قربانی قبول کرلی گئی۔ کیونکہ وہ تقویٰ و اخلاص اور نیک نیتی پر مبنی تھی۔ اور دوسرے کی ان باتوں سے خالی تھی۔ اس لئے وہ قبول نہ ہوئی۔

یہودیوں میں بھی قربانی کا رواج تھا اور وہ غلط طور پر سمجھتے تھے۔ کہ سچے نبی کی یہ علامت ہے۔ کہ وہ کوئی قربانی کرے تو آگ آسمان سے آکر اسے بھسم کر ڈالے۔ چنانچہ انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دعوےٰ پر انکار کرتے ہوئے یہ عذر پیش کیا کہ خدا تعالےٰ نے ہم سے یہ عہد لیا ہوا ہے کہ جبتک کوئی مدعی ایسی قربانی پیش کرے اُسے نہ مانا جاوے۔ چنانچہ قرآن کریم ان کے اس جواب کو دہراتا ہے اور فرماتا ہے کہ انہوں نے یہ جواب دیا تھا کہ إِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ إِلَيْنَا أَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُولٍ حَتّٰى يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ۔ اگرچہ یہود سوختنی قربانی کے قائل تھے۔ اسلام سوختنی قربانی کا تو قائل نہیں۔ لیکن اس نے قربانی کو بہرحال قائم رکھا ہے۔ کیونکہ اس کے اندر بہت سی حکمتیں اور فوائد ہیں۔ اور اس کے ذریعہ سے انسانی زندگی کا مقصد حاصل کرنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ اسلام عالمگیر مذہب ہے اور ساری دنیا کے لئے ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو یقیناً عالمگیر مذہب کہلانے کا مستحق نہ ہوتا۔ اسلام نے اس حقیقی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی کا حکم دیا ہے۔ اور نہ صرف حکم دیا ہے۔ بلکہ اس کا فلسفہ بھی بتایا ہے قربانی کے فوائد اور برکات اور اس کی حکمتیں تو بے شمار ہیں۔ جو بیان سے باہر ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عیدالاضحیٰ کے ایک موقع پر قربانی کے فلسفہ پر ایک وسیع مضمون (جو کتاب خطبہ الہامیہ میں چھپ چکا ہے) اپنے خطبہ میں کچھ زبانی اور کچھ تحریری بیان فرمایا ہے۔ جو دوست تفصیل سے پڑھنا چاہیں اس کتاب کی طرف رجوع کریں۔

بہرحال ہمیں قرآن کریم کے دیئے ہوئے علم سے معلوم ہوگیا کہ قربانی کا مسئلہ نہایت عظیم الشان مسئلہ ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے۔ کہ ہر ملک اور ہر قوم میں اس کا رواج ہے۔ جوں جوں انسان نے ترقی کی اس کے متعلق لوگوں کے نظریئے میں بھی ترقی ہوتی چلی گئی۔ کیونکہ یہ بات شروع ہی سے انسانی دماغ میں میخ کی طرح راسخ ہے۔ کہ قربانی مصائب اور مشکلات اور پریشانیوں سے بچنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے اور اس وجہ سے قدیم زمانہ سے لوگ اس پر غیر متزلزل یقین رکھتے چلے آئے ہیں۔ وہ یہ مانتے چلے آئے ہیں۔ کہ قربانی خدا تعالےٰ کی ناراضگی کو دور کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ مگر جہاں لوگوں نے قربانی کی اس قدر اہمیت سمجھی وہاں ان کے اندر اس کے متعلق غلط نظریات بھی قائم ہو گئے۔ اور انہوں نے سمجھ لیا کہ خدا تعالےٰ کی ناراضگی جانوروں کے خون اور گوشت پوست سے دور ہوتی ہے۔ اور بعض نے اس پر یہ اضافہ کرلیا کہ قربانی کو آسمان سے آگ آکر کھاوے تو یہ علامت ہوگی کہ خدا اس شخص کی قربانی سے خوش ہے۔ غرضیکہ لوگوں کی نظر قربانی کے صرف گوشت پوست اور خون تک محدود ہو کر رہ گئی۔ اور اس کی حقیقت ان کی نظروں سے پوشیدہ ہوگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قربانی کرنے کے باوجود وہ اس کے فوائد اور برکات سے محروم رہے۔ عیسائیوں نے اس سے بھی آگے قدم بڑھایا۔ انہوں نے جانور کی قربانی کی بجائے کفارہ کا ایک عجیب و غریب خلاف عقل و نقل عقیدہ گھڑ لیا۔ اور اس طرح نہ صرف خود گمراہ ہوئے بلکہ ایک دنیا کی گمراہی کا موجب بنے۔ انہوں نے گناہوں سے نجات پانے کے لئے انسان کی قربانی جائز قرار دی۔ اور یہ عقیدہ بنا لیا کہ مسیح خدا کا بیٹا تھا۔ جو اس نے اس وجہ سے صلیب پر مروا دیا کہ وہ دوسروں کے گناہوں کی سزا اٹھائے۔ گویا کرے کوئی بھرے کوئی والا معاملہ ہے۔ اس طرح نہ خدا عادل رہا نہ رحیم اس نے دنیا کے گنہگاروں کو چھوڑ دیا۔ اور مسیح کو ان کے خیال کے مطابق ان کے گناہوں کی پاداش میں سزا دے دی۔ اور اگر اسے صحیح تسلیم کیا جاوے تو یہ خدا کا (نعوذ باللہ) صریح ظلم ہے۔

گناہوں سے نجات پانے کے حصول اور اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے مرد کی قربانی کا بھی ایک زمانہ میں رواج ہوا پھر ہر گناہ کے لئے بعض خاص خاص قربانیاں دی جانے لگیں۔ بڑے گناہ پر جب خاص طور پر بڑی قربانی نہ دی جاتی اس وقت تک اس کا خوش ہونا ناممکن سمجھا جاتا ہوتے ہوتے انسانی قربانی تک نوبت پہنچی۔ پہلے تو کسی کبیرہ گناہ پر صرف جانور کی قربانی اکتفا کرتی تھی۔ مگر پھر آہستہ آہستہ اس کے مقابلہ میں قوم کی نجات کے لئے انسان کے وجود سے بڑھ کر کوئی ذی روح مناسب اور موزوں نہ سمجھا جاتا تھا۔

اس لئے قدیم ہندوؤں۔ رومیوں۔ یونانیوں میں انسانی قربانی نے رواج پکڑا۔ اور اسی دوران میں موجودہ عیسائیت معرض وجود میں آئی۔ اور پولوس نے اپنے عقائد کسی قدر لوگوں کے دلوں میں نہ جمتے دیکھے تو اس نے کفارہ کا مسئلہ ایجاد کرلیا۔ اور اس کے ذریعہ سے مغربی اقوام پر اثر ڈالنا شروع کیا۔ اس نے لوگوں کو یہ بتانا شروع کیا کہ آدم گنہگار تھا۔ اور بنی نوع انسان نے اپنے باپ آدم سے گناہ ورثہ میں لیا۔ اس لئے ان سے گناہ دور کرکے خداوند تعالےٰ کو خوش کرنے کے لئے ایک بڑی قربانی کی ضرورت پیش آئی۔ چونکہ تمام بنی نوع انسان کی نجات کا سوال درپیش تھا اس لئے ان کے خیال میں کسی معمولی جانور کی قربانی کفایت نہ کرسکتی تھی۔ اس لئے گویا خدا تعالےٰ نے اپنی ناراضگی کو دور کرنے کے لئے اور انسانی نسل کی نجات کے لئے اپنے معصوم بیٹے کو قربان کر دیا۔ چونکہ مغرب کو ایسے سہل عقیدہ کا اختیار کرلینا آسان تھا اس لئے مسیحیت کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ اس عقیدہ میں نفس پر کوئی عملی بوجھ نہ تھا اس لئے انہوں نے اسے قبول کرنا شروع کر دیا۔ قدیم رومی اور یونانی خدا تعالےٰ کے حلول کے مسئلہ کے قائل تھے۔ وہ مانتے تھے کہ خدا تعالےٰ بعض وجودوں میں داخل ہوتا ہے۔ وہ قربانی کو کفارہ کا قائم مقام تصور کرتے تھے۔ اس لئے وہ پرانے دیوتاؤں کی بجائے کسی نئے دیوتا کی تلاش میں لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے یسوع کا نام سنکر اُسے قبول کرلیا بہرحال عیسائی دنیا نے قربانی کی اصلیت اور حقیقت سمجھنے کی کوشش ہی نہ کی۔ اس لئے کفارہ جیسی خطرناک غلطی کے مرتکب ہوئے۔ کفارہ کی صحت کی کوئی دلیل نہیں۔ نہ مسیح نے قربانی کا فلسفہ بیان کیا ہے۔ اور نہ دیگر لوگ اسے سمجھنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مسیح نے فرمایا تھا کہ بہت سی باتیں سچائی کی روح تک ملتوی ہیں۔ چنانچہ مسیحی بھی اس امر پر یقین رکھتے ہیں۔ کہ مسیح نے اپنی تعلیم کو ناقص رہنے دیا ہے۔ جسے روح القدس نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ مگر یہ ان کا خیال صحیح نہیں۔ قربانی کا فلسفہ روح القدس نے ان کو بتایا ہی نہیں۔ بلکہ یہ مسئلہ جوں کا توں پڑا رہا۔ اور یہ مسئلہ اور ایسے ہی اور بیسیوں مسائل ان کے بعد ایک اور نبی کے ذریعہ سے پورے ہوئے جو حقیقتہً سچائی کی روح ہے یعنی آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے سچائی کی روح فاران کی چوٹیوں سے آتشیں شریعت کے ساتھ دس ہزار قدوسیوں کی معیت میں جلوہ افروز ہوئی۔ آپ ہی وہ پیغمبر آخر الزمان ہیں۔ جن کی تعلیم میں قرآن کریم نے مسیح علیہ السلام کی نامکمل تعلیم کو مکمل صورت میں دنیا کے سامنے پیش فرمایا۔ اور الیوم اکملت لکم دینکم کا اعلان کیا۔ اور ایسی شریعت پیش کی جو گناہوں کے مواد کو بھی بھسم کر دینے والی اور آتشیں شریعت کہلاتی ہے

قرآن کریم ہی وہ پہلی اور آخری کتاب ہے کہ جس نے دوسرے مسائل کی طرح قربانی کی اصل حقیقت و فلسفہ دنیا کے سامنے رکھ کر اپنی فضیلت ظاہر کی ہے۔ قرآن کریم نے قربانی کی غرض و غائت پر روشنی ڈالی ہے۔ اور یہ بھی کھلے لفظوں میں واضح ہے۔ کہ جانوروں کا خون گوشت اور پوست قربانی کا اصل مدعا نہیں۔ نہ خدا تعالےٰ اُن سے خوش ہوتا ہے۔ بلکہ خدا تعالےٰ تو کسی اور ہی چیز سے راضی ہوتا ہے۔ جو قربانی میں مدنظر رکھنی چاہیئے۔ فرماتا ہے۔ لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم۔ قربانی کی حقیقی غرض تقویٰ ہے۔ نہ کہ جانور کی جسمانی چیزیں۔ قربانی کے ذریعہ سے تقویٰ اور پرہیزگاری کا سبق دیا جاتا ہے۔ قربانی بتاتی ہے۔ کہ جس طرح جانور ذبح کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کو بھی اپنے حیوانی جذبات بیچ کر ذبح کرنا چاہیئے

انسان کی فطرت میں اللہ تعالےٰ نے ارتقاء رکھا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ ترقی کرے۔ ادنےٰ حالت سے اوپر کو جائے۔ یہ ارتقاء کا مسئلہ جسے ایولوشن تھیوری کہا جاتا ہے۔ ہر جگہ نظر آتی ہے۔ دنیا کی ہر چیز ترقی کی طرف قدم مار رہی ہے۔ خدا تعالےٰ ربّ ہے۔ وہ ہر ایک چیز کو ترقی کی طرف لے جا رہا ہے۔ ہر چیز ادنےٰ حالت سے اعلےٰ مقام کی طرف جا رہی ہے۔ اس لئے انسان جو اشرف المخلوقات ہے۔ اس کا بھی روحانیات میں اعلےٰ مقام کی طرف ترقی کرنا ضروری ہے۔ اس کے اوپر خدا تعالےٰ کی ذات ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ ترقی کر کے خدا تعالےٰ تک جا پہنچے۔ دنیا کی ہر ادنےٰ چیز اعلےٰ کیلئے قربان ہو رہی ہے۔ اور کسی بڑی چیز میں جذب ہو رہی ہے۔ جس سے کسی کو انکار نہیں یہ انسان کا روزانہ مشاہدہ اور تجربہ ہے۔ اسی عالمگیر اصول کے ماتحت انسانی ارتقاء کے لئے انسانی حیوانیت اور انانیت کا مٹانا ضروری ہے۔ مٹی۔ گھاس۔ پات اور نباتات میں تبدیلی ہو رہی ہے۔ اور نباتات سے حیوانات پرورش پا رہے ہیں۔ اسیطرح حیوان کا گوشت ترقی کرنے کے لئے انسان کے جسم میں جذب ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو انسان بنانے کے لئے مٹا دیتا اور اپنے اوپر موت وارد کر لیتا ہے۔ یہی قربانی کا راز ہے۔ اور اس سے قربانی کا عالمگیر اصول بھی آسانی سے سمجھ آ جاتا ہے۔ جب تک انسان اس اصل کے نیچے اپنے آپ کو داخل نہ کرے وہ ترقی سے محروم رہے گا۔ اسلامی قربانی کی علت غائی اور منتہائے مقصود اللہ تعالےٰ کا قرب ہے۔ دوسری زبانوں میں نہ معلوم کیا کیا نام ہیں۔ مگر عربی زبان میں جو تمام زبانوں کی اصل ہے اور ام الالسنہ کہلاتی ہے۔ اس میں اسکے لئے قربانی کا لفظ اختیار کیا گیا ہے۔ اور یہ جامع لفظ ہے۔ اور خود یہ لفظ ہی اس کی غرض و غائت کو واضح کر دیتا ہے۔ کیونکہ اس کا روٹ یعنی مادہ قرب ہے اس لئے یہ لفظ ہمیں بتاتا ہے کہ قربانی سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم خدا تعالےٰ کے قرب کو پا لیویں۔ قرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ تقویٰ ہے۔ خدا تعالےٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے اسی لئے فرمایا کہ قربانی کا مقصد تقویٰ ہونا چاہیئے جس طرح حیوان اپنے آپ کو فنا کر دیتا ہے۔ اسی طرح انسان بھی خدا تعالےٰ کی اطاعت میں فنا ہو جائے۔ اور اپنی حیوانیت اور خودی کو مٹا دے۔ محض یہ خیال کہ جانور کا خون اور گوشت پوست خدا تعالےٰ کی رضا کا باعث ہے کوئی قابل وقعت خیال نہیں۔ جس طرح باقی چیزیں فنا ہو کر ہمیشہ کے لئے انسان میں جذب ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح انسان خدا تعالےٰ کی اطاعت میں فنا ہو کر بقاء حاصل کرے۔ یہی قربانی کا راز ہے۔ یہی قربانی کا اصل معراج ہے یہی وہ فنا فی اللہ کا مقام ہے۔ جہاں پہنچ کر حدیث میں آتا ہے کہ خدا تعالےٰ انسان کے اعضاء بن جاتا ہے۔ اور انسان اللہ تعالےٰ کے اخلاق اختیار کر کے خدا تعالےٰ کی صفات سے متصف ہو جاتا ہے۔ چونکہ ایسا فنا فی اللہ انسان عام انسانوں سے بالا ہوتا ہے۔ اس لئے دنیا کے کم فہم لوگ اسے خدا اور دیوتا سمجھنے لگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار کے ساتھ آپ کے بندے ہونے کا اقرار لازمی قرار دیا گیا ہے ورنہ لوگ آپ کو بھی خدا اقرار دیتے بلکہ سب خداؤں سے بڑھ کر سمجھنے لگ جاتے۔ کیونکہ آپ کی قربانی اور فناء کا مقام سب سے اونچا ہے۔

قربانی خدا کے قرب کا موجب ہے۔ یہ انسان کے گناہوں کی قوت کو دبانے والی چیز ہے۔ مگر کفارہ انسان کو گناہوں میں بڑھانے کا موجب ہے۔ حضرت مسیحؑ کی قربانی اور حضرت امام حسینؓ اور سید عبد اللطیف صاحبؓ کی قربانی حصول قرب الٰہی کے لئے تھی نہ کہ کسی جھوٹے کفارہ کے لئے۔ انہوں نے اپنی خودی کو مٹا کر باقی دنیا کو سبق دیا ہے کہ ایسی ہی قربانی خدا تعالےٰ کے راستہ میں دینے سے خدا اور اس کی اعلیٰ رضاء حاصل ہوتی ہے۔ انہوں نے جانوروں کی قربانی سے جو سبق لیا تھا۔ اس کا کامل نمونہ پیش کر دیا۔ لیکن کفارہ میں یہ بات نہیں عیسائی حضرات تو یہ سمجھتے ہیں کہ مسیح تمام ایمان لانے والے لوگوں کو جنت میں لے جائے گا۔ اور دوزخ کی سزا سے بچا لے گا۔ مگر یہ خیال درست نہیں یہ خیال آدمی کی ترقی کے راستہ میں سخت روک ہے۔ بلکہ اسے گناہوں میں ترقی دینے کا باعث ہے۔ جب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ ان کے گناہوں کے بدلے میں مسیح کو سزا مل گئی تو وہ گناہوں پر دلیر ہو کر ایک دوسرے سے آگے قدم بڑھائیں گے۔ اور اس طرح دنیا پاکیزگی کی بجائے گناہوں کی آلودگی سے ملوث ہو جائیگی جیسا کہ عیسائی دنیا کا حال ہے اسیطرح دنیا کی ترقی رک کر زوال ہی زوال نصیب ہوگا جس میں کبھی انسان کو راحت اور اطمینان قلب نصیب نہیں ہو سکتا۔ حقیقی راحت اسی میں ہے۔ کہ انسان خدا تعالےٰ کی رضاء کی راہوں پر قدم زن ہو۔ اس کے لئے متواتر کوشش کرے اپنے آپ کو مسلسل تکلیفوں میں ڈال کر خدا تعالےٰ کی خاطر انہیں برداشت کرے۔ اور قدم پیچھے نہ ہٹا دے۔

اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں بار بار فرمایا ہے جو نیکیوں میں ترقی کرتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان میں تقویٰ پیدا کرتا ہے۔ تقویٰ کے نتیجہ میں نیکی اور نیکی کے نتیجہ میں تقویٰ آتا ہے۔ اور اس طرح انسان آگے ہی آگے ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ خدا تعالےٰ ایک جگہ فرماتا ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا کہ جو لوگ ہماری خاطر کوشش اور مجاہدہ کرتے ہیں ہم انہیں آگے ہی آگے ترقی دیتے چلے جاتے ہیں۔ جب انسان کے اندر یہ خیال راسخ ہو جاتا ہے۔ تو وہ بڑے بڑے کاموں کے لئے ہاتھ بڑھانے کے لئے کوشش شروع کر دیتا ہے۔ اس میں سے سستی دور ہو کر چستی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ نہایت تیزی کے ساتھ قدم اٹھاتا اور منزل مقصود کو پانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ خیال اس کی روحانی ترقی کے لئے نہایت ضروری تھا۔ اسے اسلام ہی نے آ کر ظاہر فرمایا ہے۔ اسلام بتلاتا ہے کہ ہمارے اعمال ہی جاری جزا و سزا کا باعث بنیں گے۔ اور یہی ہماری ترقی کا موجب ہوں گے ہمیں اپنا بوجھ خود اٹھانا پڑے گا۔ یہ اسلام کا ایک بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے آ کر انسان کو اس کی اخلاقی ذمہ داری کی طرف متوجہ کر کے اسے ترقی کے راستہ پر گامزن کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ لا تزر وازرۃ وزر اُخریٰ کسی انسان کا بوجھ کوئی دوسرا انسان نہیں اٹھا سکتا۔ ہر ایک کو اپنا بوجھ آپ اٹھانا ہو گا۔ کیونکہ اس کے بغیر اس کی ترقی محال ہے۔ اور کفارہ انسان کو تنزل کے گڑھے میں گراتا ہے نہ کہ ترقی کی طرف لے جاتا ہے۔ لیکن حقیقی قربانی انسان کے اندر تقویٰ پیدا کرتی ہے۔ اور تقویٰ انسان کو ترقی کے انتہائی مقام پر پہنچا دیتا ہے۔ قرآن کریم نے جس قدر زور تقویٰ پر دیا ہے۔ اس کا عشر عشیر بھی کسی اور مذہب نے بیان نہیں کیا۔ تقویٰ کیا چیز ہے۔ وہ اس خیال اور ارادہ۔ ہمت۔ قوت و ملکہ اور کوشش کا نام ہے۔ جس کے ذریعہ سے دنیا کی محبت اس کے دل سے مٹ جاتی اور ہر قسم کے گناہوں اور جذبات نفس کی آلودگیوں سے بچ کر خدا تعالےٰ کی راہ میں آگے قدم مارتا اور اس کی اعلیٰ رضاء کی راہوں پر دوڑتا چلا جاتا ہے۔ (باقی)

رپورٹ مجلس انصار اللہ

جمشید پور بابت ماہ اگست

۱۔ پانچ جلسے اگست کے تیسرے ہفتہ تک کئے گئے۔

۲۔ دو علمی لیکچر دیئے گئے جسمیں مجلس خدام و اطفال کے ممبران بھی شامل تھے۔

پہلا مضمون اسلامی اصول کی خوبیاں بمقابلہ کمیونزم۔ دوسرا مضمون احمدی غیر احمدی کے پیچھے نماز کیوں نہیں ادا کرتے اور جماعت کا نام کیوں جماعت احمدیہ رکھا گیا ہے

۳۔ رمضان المبارک میں نماز تراویح کا انتظام خاص طور پر کیا گیا۔

۴۔ چند ممبران نے وقتاً فوقتاً لوگوں میں تبلیغ کی ہے۔

۵۔ تحریک کرنے پر چند افراد نے نماز تہجد ادا کرنی شروع کی۔ اسکے علاوہ خاکسار دوسرے احباب کو بھی نماز تہجد کی بار بار تحریک کرتا ہے۔ بچوں کی تعلیم و تربیت اور اصلاح کے متعلق خاص طور پر زور دے رہا ہوں۔ دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ مجھکو صحیح رنگ میں کام کرنے کی توفیق بخشے۔ خاکسار عبد المجید زعیم مجلس

نوٹ۔ دیگر مجالس انصار اللہ کو چاہیئے کہ وہ بھی اپنی اپنی ماہانہ رپورٹ مرکز میں باقاعدہ ارسال فرماویں خاکسار سید محمد شریف صدر مجلس انصار اللہ مرکزیہ قادیان

ضرورتِ مذہب

تقریر مکرم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل وکیل یادگیری (حیدرآباد دکن) بر موقعہ جلسہ سالانہ قادیان

پیدائش انسانی کی تاریخ خواہ کچھ ہی ہو اور کتنی ہی قدیم کیوں نہ ہو۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ انسان سے انسان پیدا ہوا۔ کسی حیوان سے پیدا نہیں ہوا۔ انسان نے انسانیت کے مراتب کو تدریجی طور پر ترقی کے منازل تک پہنچایا۔ غیر مہذب سے مہذب ہوا۔ غیر متمدن سے متمدن ہوا۔ غیر مذہبی انسان سے مذہبی انسان ہوا۔ بہرحال حضرت انسان خدا تعالےٰ کی اشرف المخلوقات ہے۔ جس کی پیدائش کی اغراض میں اللہ تعالےٰ کے بے شمار اسرار پنہاں ہیں۔ ان اسرار میں سب سے بڑا سر یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنی مخلوقات پر بحیثیت خالق اپنے وجود کو منکشف کرنا چاہتا ہے۔ پرستاران مادیت اور دلدادگان دنیا خواہ اس سر سے واقف ہو کر علی الاعلان اس کا اقرار کریں یا نہ کریں یا اسکو کسی نام سے پکاریں یا اس کا کوئی نام رکھیں بہرحالی یہ حقیقت ہے کہ خدا کی یہ مخلوق بیکار محض پیدا نہیں کی گئی۔ خدا ان سے کام لینا چاہتا ہے۔ ان کی پیدائش کا مقصد عظیم ہے کہ وہ خدا نما ہو جائے۔ اور اس کی صفات کا مظہر اتم ہو جائے۔ تا اس کا دلی تعلق اللہ تعالےٰ سے قائم ہو جائے۔ اور جب انسان ایسا خیال کرے گا تو وہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے کسی طریقہ کار کو بروئے کار لائے گا۔ اسی مطمح نظر کے پیش نظر وہ کوئی راہ سوچے گا کسی سکیم پر عمل کرے گا کسی راستہ پر چلے گا تبھی وہ اس کا حقیقی جانشین ہو سکے گا۔ اور اپنی محبت کو اس کے ساتھ قائم کر سکے گا اس کا ہو سکے گا اور اسے اپنا بنا سکے گا۔ اور وہی دن ہوگا جب وہ مقصد زندگی میں کامیاب ہوگا۔ وہی اسکی فلاح ہوگی۔ مذاہب کی تاریخ پر نظر غائر ڈالنے والے جانتے ہیں۔ کہ انسان نے اس مقصد زندگی کی تکمیل میں کتنے راستے تلاش کئے۔ کیا کیا طریقے سوچے کون کون سے لائحہ عمل تجویز کئے۔ . . . . کہ . . . . اور یہ بھی کہ کس کس رنگ میں مذاہب نے اپنے آپ کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ یا اس کے لانے والوں نے اس کو اہل دنیا پر پیش کیا۔ اس وقت میرے مضمون میں اس تفصیل کی گنجائش نہیں۔ لیکن یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ کہ جب سے کہ دنیا قائم ہے ہمیشہ انسانوں کے سامنے خواہ وہ کسی ملک میں رہتے ہوں یا کسی قوم سے ان کا تعلق ہو۔ اللہ تعالےٰ کا وجود۔ ایک ہستی خالق کائنات کا خیال علی التسلسل چلا آرہا ہے۔ اور ہر قوم اور ملک کے لوگوں نے اپنے اپنے زمانہ میں اس کا اقرار کیا ہے۔ اور سینکڑوں ہزاروں شہادتیں تاریخ میں محفوظ ہیں۔ خواہ وہ اس ہستی کو کسی نام سے یاد کریں۔

پھر اسی طرح کبھی بھی اور کسی دور میں ایسا نہیں ہوا کہ ان کروڑوں انسانوں نے جو ہم سے پہلے اس دنیا میں آئے اور گذر گئے۔ ایسا طبقہ موجود نہ رہا ہو جو مذہب کی ضرورت کو محسوس نہ کرتا ہو۔

پھر اسی طرح ہر دور میں ہزاروں انسانوں کی ایسی شہادتیں زبان زد خلائق اور محفوظ روایتاً چلی آتی ہے جنکو صداقت کا درجہ نصیب رہا ہے اور وہ اس زمانہ کے قابل اعتماد ذی عزت اور مشہور افراد تھے جنہوں نے اس امر کی گواہی دی کہ ہم اپنے بنائے ہوئے اصولوں کے ماتحت بغیر اللہ تعالےٰ کی طرف سے آئے ہوئے الہام یا وحی کی مدد کے بغیر اپنے لئے ایسا کوئی راستہ تلاش نہیں کر سکتے۔ جس کو پا لینے کے بعد ہم خدا تک پہونچ سکیں . . . .

پھر اسی طرح کائنات کا ہر ذرہ جو مادی اعتبار سے کسی نہ کسی ضرورت کا محتاج ہے۔ اس بات کی شہادت زبانِ حال سے دیتا رہا ہے اور دے رہا ہے کہ جس طرح مادی اجسام کے انتظام میں "ضرورت" ایک لابدی امر ہے اسی طرح روحانی اجسام کی تربیت ونشوونما کے لئے بھی ایک راستہ کی ہمیشہ "ضرورت" رہی ہے۔ ایک "طریقہ" ہمیشہ انسانوں کے لازم حال ہے۔ جس کے بغیر ان کا وجود محض بےکار ہے۔

اس مضمون کے مکمل عنوانات سے واقفیت کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ پہلے ہم یہ سوچیں اور سمجھیں کہ مذہب کسے کہتے ہیں۔ کیونکہ صحیح تعریف کے متعین ہونے کی صورت میں ہمارے لئے ہر قسم کی آسانی افہام وتفہیم میں ہو سکے گی۔

سو واضح ہو کہ مذہب کسے کہتے ہیں۔ مذہب کے معنی لغوی اعتبار سے طریقہ یا راستہ کے ہیں۔

مذہب کے اصطلاحی معنے

اصطلاح میں مذہب کی تشریح و توضیح میں مختلف باتیں بتائی گئی ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ مذہب سے مراد وہ

(۱) اصول و قوانین ہیں جس کے مطابق خدا تعالےٰ کی عبادت کی جائے۔

(دائرۃ المعارف)

(۲) بعض لوگوں کے نزدیک اس سے مراد خدائے تعالےٰ کے وہ طریق ہیں جو ہر قبیلہ اور ہر قوم اور ہر جماعت کے ممبروں میں مخصوص طور پر رائج ہیں۔ اور ان کی بنیاد اس تعین سے ہوتی ہے۔ جو ان کے افراد میں عام طور پر ہوتا ہے۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں زیر لفظ "ریلیجنز" لکھا ہے۔

Religions by wich ore meant the modes of divine worship Proper to different Tribes and based on the belief in Common by the mombeser of Their Severally

گویا مذہب سے مخصوص عبادت کے طریق مراد ہیں۔

(۳) بعض لوگوں کے نزدیک مذہب سے وہ اصول و قوانین مراد ہیں جو انسان اپنے مقصد کے حصول کے لئے مقرر کر لیتا ہے گویا اس سے مراد دستور العمل ہوتا ہے۔

مگر ان میں سے کوئی بھی تعریف جامع نہیں ہے کیونکہ نہ تو مذہب صرف عبادت کے طریق کا نام ہے اور نہ ہی صرف اصول و قوانین کا بلکہ اس کے علاوہ بھی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بزرگان سلسلہ کی کتب کی رو سے مذہب کی یہ تعریف ہے۔

"مذہب سے وہ اصول و قوانین مراد ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے اور ان کی پیدائش کا مقصد پورا کرانے کے لئے اپنی مرضی سے اپنے برگزیدہ انسان پر نازل فرماتا ہے"۔ (ریویو آف ریلیجنز)

پس مذہب ان خیالات وعقائد اور طریق کا نام ہے۔ جو انسان اپنی زندگی میں اختیار کرتا ہے

(صفحہ ۱۳ ہمارا خدا)

پھر مذہب انسان کی زندگی کے ساتھ لازم و ملزوم کے طور پر ہے۔ اور کوئی شخص کسی قید سے مطلقاً آزاد نہیں رہ سکتا۔ (صفحہ ۱۲ ہمارا خدا)

اور یہ بھی خیال غلط ہے کہ مذہب صرف خدا کے عقیدے کا نام ہے۔ گویا جو خدا کا عقیدہ چھوڑ دے تو اس نے مذہب چھوڑ دیا یہ غلط ہے۔

پس مذہب خدا کی جانب سے انسان کی کامل تربیت اور ظاہری نشوونما کے لئے ایسے کامل و مکمل انسانوں کے ذریعہ سے جو ظاہری و باطنی تربیت یافتگی کا اکمل ترین نمونہ ہوتے ہیں بھیجا جاتا ہے۔

اور ظاہر ہے کہ جو چیز اس ذات کی جانب سے جس نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ انسان کی نشوونما و تربیت کے لئے بھیجی جائے۔ بہرحال ان تمام چیزوں سے افضل و اعلیٰ ہوگی جو خود انسان نے اپنے لئے تجویز کر لی ہے۔

اس امر کو معلوم کر لینے کے بعد کہ مذہب کسے کہتے ہیں اب ہمیں یہ ضرورت داعی ہوتی ہے کہ ہم یہ معلوم کریں کہ کیا ہمیں کسی مذہب کی ضرورت ہے بھی یا نہیں۔ اس سوال کے جواب سے آپ کو مطمئن کرنے کے لئے یہ بتانا ہوگا کہ دنیا میں کسی چیز کی ضرورت یا عدم ضرورت کا کس طرح فیصلہ ہوا کرتا ہے۔ سو واضح ہو کہ اس قسم کا فیصلہ دو طرح سے ممکن ہوتا ہے۔

اول یہ دیکھا جاتا ہے کہ جو چیز یا کام ہمارے سامنے ہے اس کے اختیار کرنے میں کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے یا نہیں اگر فائدہ پہونچنے کی معقول طور پر امید کی جا سکتی ہو تو اُسے اختیار کیا جاتا ہے۔ ورنہ ترک کر دیا جاتا ہے۔

دوم۔ یہ دیکھا جاتا ہے کہ کسی چیز یا کام کے ترک کرنے میں کسی قسم کے نقصان کا احتمال تو نہیں اگر نقصان کا احتمال ہے تو اُسے اختیار کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ اگر احتمال نہیں ہے تو اُسے اختیار کیا جاتا ہے۔ پس اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کسی چیز کے اختیار کرنے میں ہمارے لئے فائدہ کی امید ہے یا یہ اسکے ترک کرنے میں نقصان کا اندیشہ ہے۔ تو اس صورت میں عقلمند کا یہی فتوےٰ ہوگا کہ اسے اختیار کرنا ہمارے لئے نہ صرف مناسب بلکہ ضروری ہے۔ اب سوال رہ جاتا ہے کہ مذہب کی ضرورت کیوں ہے (باقی ص۱۲ پر)

وصیتیں

نوٹ:۔ وصایا منظوری سے قبل اس لئے شائع کی جاتی ہیں کہ اگر کسی کو شک ہو تو وہ دفتر سے دریافت کر سکے۔

نمبر وصیت ۱۰۶۷۹ سعید احمد ولد حمید احمد صاحب قوم ککے زئی پیشہ تعلیم عمر ۱۹ سال پیدائشی احمدی ساکن حال لاہور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۳۰/۳/۴۸ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد منقولہ و غیر منقولہ کچھ نہیں ہے۔ میں طالب علم ہوں۔ مجھے میرے والد صاحب کی طرف سے علاوہ خرچ خوراک مبلغ ۱۰ روپے صرف بطور جیب خرچ ملتے ہیں۔ میں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان حال پاکستان ربوہ کرتا ہوں۔ کمی بیشی سے اطلاع دیتا رہوں گا۔ میرے مرنے کے بعد اگر کوئی جائیداد ثابت ہو۔ تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔

گواہ شد سید اعجاز احمد شاہ انسپکٹر بیت المال۔ العبد سعید احمد بری بقلم خود جودھامل بلڈنگ لاہور پاکستان۔ گواہ شد محمد امین دیہاتی مبلغ۔

وصیت نمبر ۱۰۹۷۶ حبیب اللہ خان ولد چوہدری مامون خان صاحب قوم راجپوت پیشہ ملازمت عمر ۶۶ سال بیعت ۱۹۱۳ء ساکن بلگام پورہ ڈاکخانہ نوکر ضلع گوجرانوالہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۲/۷/۴۸ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد فی الحال کوئی نہیں ہے۔ میرا گذارہ فی الحال عارضی ملازمت مبلغ ۷۰ روپے پر ہے اس سے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ کرتا ہوں۔ حصہ آمد کمی بیشی کے مطابق ادا کرتا رہوں گا۔ اگر مشرقی پنجاب والی جائیداد واپس ملی تو اس کے ۱/۱۰ حصہ پر وصیت ہذا حاوی ہوگی۔ میرے مرنے کے بعد اگر کوئی جائیداد ثابت ہوگی۔ تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ ربوہ پاکستان ہوگی۔

العبد حبیب اللہ خان احمدی موضع بلنگ پورہ ڈاکخانہ نوکر ضلع گوجرانوالہ گواہ شد غلام محمد ساکن گوجرانوالہ خادم مسجد احمدیہ گواہ شد خورشید احمد انسپکٹر وصایا

وصیت نمبر ۱۱۵۸۴ محمد ابراہیم ولد مستری محمد بخش صاحب۔ قوم لوہار پیشہ مزدوری عمر ۵۴ سال بیعت ۱۹۰۷ء ساکن چک ۳۱۲ ج ب ڈاکخانہ چک ۳۱۰ ج ب ضلع لائلپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۲/۱۱/۴۸ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔

میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ ایک خراس قیمتی ۱۰۰ روپیہ ایک اونٹنی قیمت ۲۰۰ روپیہ کل ہے اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ میرے مرنے کے بعد اگر کوئی جائیداد ثابت ہو گی۔ تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ ہوگی۔ العبد مستری محمد ابراہیم ولد محمد بخش چک ۳۱۲ ج ب ڈاکخانہ چک ۳۱۰ ج ب ضلع لائلپور۔ گواہ شد چوہدری سردار خان چک ۳۱۲۔

گواہ شد خورشید احمد انسپکٹر وصایا۔

وصیت نمبر ۱۲۱۳۷ عابدہ بیگم زوجہ یعقوب احمد قوم مغل پیشہ خانہ داری عمر ۲۰ سال پیدائشی احمدی ساکن لاہور۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۵/۴/۴۹ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری موجودہ جائیداد حسب ذیل ہے۔ حق مہر مبلغ ۱۰۰۰ روپیہ ہے۔ چوڑیاں ۲ عدد طلائی وزن ۲ تولے قیمت ۲۰۰ روپیہ۔ طلائی مندریاں ۲ عدد کانٹے دو عدد وزن ایک تولہ قیمت ۱۰۰ روپیہ میزان ۱۳۰۰۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتی ہوں۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں۔ تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائے گی۔ اگر اس کے بعد کوئی اور جائیداد پیدا کروں تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتی رہوں گی۔ اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میرے مرنے کے وقت جس قدر میری جائیداد ہوگی۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ پاکستان ہوگی۔ الامتہ عابدہ بیگم زوجہ سید یعقوب احمد بیرون دہلی دروازہ مبارک منزل۔ گواہ شد زینب سیکرٹری لجنہ اماء اللہ جماعت احمدیہ حلقہ دہلی دروازہ لاہور بسیدہ امتہ الرشید بقلم خود۔ گواہ شد سید ولایت شاہ انسپکٹر وصایا۔

وصیت نمبر ۱۲۹۵۵ رضیہ بیگم بنت مرزا نذیر حسین صاحب قوم مغل عمر ۱۶ سال ۷۱ گوالمنڈی روڈ نزد چوک شاہ ابو المعالی لاہور۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲/۵/۵۱ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میں ابھی طالب علم ہوں۔ میرے والدین نے مجھے زیور بنا دیا ہے جس کی واحد مالکہ میں ہوں۔ یعنی ایک جوڑی کانٹے طلائی وزنی ایک تولہ قیمت تقریباً ۹۰ روپے ہے۔ میں اس کے ۱/۸ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ کرتی ہوں۔ اگر اس کے بعد کوئی اور جائیداد پیدا کروں۔ تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتی رہوں گی۔ اور اس جائیداد پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میرے مرنے کے وقت جس قدر میری جائیداد ہوگی۔ اس کے ۱/۸ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ ربوہ ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائے گی۔

الامتہ رضیہ بیگم بنت مرزا نذیر حسین صاحب ۷۱ گوالمنڈی روڈ نزد چوک شاہ ابو المعالی لاہور۔

گواہ شد مرزا نذیر حسین والد موصیہ۔ گواہ شد مرزا البشارت احمد برادر موصیہ

وصیت نمبر ۱۲۹۵۶ حلیمہ بیگم بنت مرزا نذیر حسین صاحب ۷۱ گوالمنڈی روڈ نزد چوک شاہ ابو المعالی لاہور۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲/۵/۵۱ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میں ابھی طالب علم ہوں۔ میرے والدین نے مجھے زیور بنا کر دیا ہوا ہے جس کی میں واحد مالکہ ہوں۔ یعنی ایک جوڑی طلائی کانٹے وزنی تقریباً ایک تولہ قیمت ۹۰ روپے ہے۔ میں اس کے ۱/۸ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ کرتی ہوں۔ اگر اس کے بعد کوئی جائیداد اور پیدا کروں تو اسکی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتی رہوں گی۔ اور اس جائیداد پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی نیز میرے مرنے کے وقت جس قدر میری جائیداد ہوگی۔ اس کے ۱/۸ حصہ کی مالک انجمن مذکور ہوگی اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائے گی۔ الامتہ حلیمہ بیگم بنت مرزا نذیر حسین ۷۱ گوالمنڈی روڈ نزد چوک شاہ ابو المعالی لاہور

گواہ شد مرزا نذیر حسین والد موصیہ۔ گواہ شد مرزا البشارت احمد برادر موصیہ

وصیت نمبر ۱۲۳۱۳ محمد شریف ولد چوہدری نور محمد صاحب قوم راجپوت پیشہ ملازمت عمر ۲۰ سال پیدائشی احمدی چک ۶۱ بھیدیانوالہ ڈاکخانہ خاص ضلع لائلپور۔ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۹/۶/۴۹ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد اس وقت کوئی نہیں اس وقت ماہوار آمد ۳۰ روپے ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان کرتا رہوں گا۔ اور اگر کوئی جائیداد اس کے بعد پیدا کروں تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتا رہوں گا اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میرے مرنے کے وقت میرا جس قدر متروکہ ثابت ہو۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ ہوگی۔

العبد Sh. Sur. Mohd. Sharif No 1004543 H.Q. Sqn 5 Horse c/o Pak. Base Post-Office "Q"

گواہ شد لال خان پی۔ اے۔ بی سنٹر نوشہرہ

گواہ شد کیپٹن ملک خادم حسین پی۔ اے۔ بی سنٹر نوشہرہ

وصیت نمبر ۱۲۴۳۵ زبیدہ بیگم زوجہ چوہدری محمد عبد العزیز صاحب ایم۔ اے قوم سیل پیشہ خانہ داری عمر ۴۴ سال بیعت ۱۹۳۲ء ساکن گھمبانہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۳۰/۷/۴۹ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری موجودہ جائیداد حسب ذیل ہے۔ زیورات طلائی قیمت اندازاً ۳۰۰ روپیہ اور زیورات نقرئی قیمت اندازاً ۸۰ روپے اور نقد روپیہ ۴۰۰ لہذا کل جائیداد کی قیمت ۷۸۰ روپے بنتی ہے میں اس کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ کرتی ہوں۔ میں نے اپنے خاوند محترم سے مہر کی رقم وصول کر لی ہے۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان ربوہ بمد وصیت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کر لوں۔ تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کر دی جائے گی۔

اگر اس کے بعد کوئی جائداد اور پیدا کروں۔ تو اس کی اطلاع مجلس کارپرداز کو دیتی رہوں گی۔ اور اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ نیز میرے مرنے کے وقت جس قدر میری جائیداد ہو۔ اس کے دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ پاکستان ہوگی۔ مجھے سردست اپنے خاوند محترم کی طرف سے ماہوار مبلغ ۵/- روپے بطور جیب خرچ مل رہا ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ پاکستان کرتی رہوں گی۔

الامتہ زبیدہ بیگم زوجہ محمد عبد العزیز صاحب ایم۔ اے انگلش ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول شورکوٹ ضلع جھنگ۔

گواہ شد
محمد شجاعت علی
انسپکٹر بیت المال

گواہ شد
محمد عبد العزیز ایم۔ اے انگلش ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول شورکوٹ ضلع جھنگ۔

مذہب کی ضرورت کیوں ہے؟

مذہب کی ضرورت ہر انسان کے لئے اس واسطے ہے کہ وہ انسان کی فطرت میں داخل ہے اور جو چیز فطرتی ہوگی اسکی ضرورت واضح ہے کیونکہ انسان فطرت کے خلاف جا نہیں سکتا۔ اللہ تعالےٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

فاقم وجهك للدين حنيفا۔ فطرة الله التى فطر الناس عليها لاتبديل لخلق الله ذالك الدين القيم ولكن اكثر الناس لا يعلمون

ہم نے دین حنیف پر تمہیں چلایا۔ لہذا تم اسکی طرف پوری توجہ کرو اور ایسا دین تم کو دیا ہے جو عین فطرت ہے۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے ہر انسان کو پیدا کیا ہے۔ یہ فطرت اللہ کی مخلوق ہے۔ اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہو سکتا۔ یہ مضبوط دین ہے۔ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

فطرت کسے کہتے ہیں۔ ایک عربی لفظ ہے جو فطر سے نکلا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ فلانٌ فطرہ ای اخترعه وابتدءه و انشاءه۔" یعنی جب یہ کہا جائے کہ فلاں شخص نے فلاں امر فطر کیا تو اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ اس نے فلاں امر کو جو پہلے موجود نہ تھا بنایا اور اس کی ابتداء کی اور اُسے نیست سے ہست میں لاکر ممد ہونے کے قابل بنا دیا۔ چنانچہ اسی بناء لغت والوں نے فطرت کے معنی یہ لکھے ہیں۔

الصفة التى يتصف بها كل مولودٍ فى اوّلِ زمانِ خلقتهٖ۔

یعنی فطرت ان صفات کا نام ہے۔ جو ہر ایک چیز میں اسکی ابتداء خلقت کے وقت ودیعت کی جاتی ہے۔ اس تعریف کے مطابق فطرت انسانی سے مراد وہ صفات و خواص ہوں گے جو بیرونی اثرات کے نتیجہ میں نہیں پیدا ہوئے بلکہ خلقتاً اور طبعی طور پر انسان کے اندر مرکوز کئے گئے ہیں۔ تاکہ وہ ان کے ذریعہ اپنے واسطے ترقیات کا دروازہ کھول سکے۔

ظاہر ہے کہ ہر چیز کچھ خواص اپنے اندر رکھتی ہے۔ جو اس کے خواص طبعی کہلاتے ہیں۔ ان خواص کا مجموعہ فطرت ہے۔

یہ خواص اور صفات بیرونی اثرات کے ماتحت آکر یا تو دب جاتے ہیں یا چمک جاتے ہیں اور اس پر کسی ہستی کی ترقی اور تنزل کا دارو مدار ہے۔ (ہمارا خدا ص ۳۱)

پس مذہب اسلام نام ہے اس فطرت الہٰی کا جس پر انسان پیدا ہوا ہے۔ اور فطرت الہٰی یہ ہے کہ جو قانون نظام عالم کا اس نے بنایا ہے۔ اس میں تبدیلی پیدا نہیں کرتا اور یہی مسلک و مذہب ایسا ہے۔ جو ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ اور اس بام ترقی تک پہنچانے والا ہے جو انسان کے تمام قویٰ کو بروئے کار لانے کے بعد بآسانی حاصل ہو سکتا ہے پھر اسی کے ساتھ یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ ترقی کے اصول کیا ہیں۔

یعنی اس کلیہ کو ہمیشہ سامنے رکھنا کہ جو اصول نظام عالم اور ارتقاء کا قدرت نے مقرر کر دیا ہے۔ اس میں کبھی تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور ایک انسان کو فرض ہے کہ ہمیشہ سعی و کوشش سے کام لے کر ترقی کی راہیں پیدا کرے اسی اُصول کو خدا نے کہیں آیات محکمات کہا ہے۔ کسی جگہ لن تجد لسنة الله تبديلا سے تعبیر کیا ہے کبھی بعبارۃ الناس بتایا ہے اور کبھی جبل اللّٰہ سے اس کی صراحت کی ہے۔

پھر یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ مذہب اگر انسان کے لئے کوئی ضروری چیز ہے تو دیکھنا چاہیئے کہ یہ ضرورت محض فطرت کے اقتضاء سے پیدا ہوتی ہے۔ یا صرف ماحول کے اثر سے اس کا جواب دینے کے لئے زیادہ غور و تامل کی ضرورت نہیں۔ ابتدائی آفرینش سے لیکر اسوقت تک انسان کی تاریخ اس نتیجہ پر پہنچنے میں مدد کرتی ہے کہ مذہب کا خیال ایک فطری اقتضاء ہے۔ اور وہ اس لئے کہ انسان بالطبع تمدن پسند ہے اور تمدن کا نظام بہت کچھ منحصر ہے کسی اعتقادی قانون پر ضروری ہے کہ ماحول کے اثر سے مذہبی خیالات میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ لیکن مذہب کا خلاق (منبع نشاء) ماحول نہیں بلکہ فطری اقتضاء ہے۔ اس لئے ایک مذہب کے بہترین مذہب ہونے کی علامت اگر کوئی ہو سکتی ہے تو صرف یہ کہ وہ اصول فطرت کے مطابق ہو یعنی فطرت انسانی اپنے اکتسابات کے لحاظ سے جس قدر ترقی کرتی جائے۔ مذہب [illegible] یہ کہ اس کا ساتھ دے بلکہ ہمیشہ ترقی کا ایک بلند نصب العین سامنے رکھے مذہب انسان کی فطرت میں داخل ہے اور یہ کہ وجود انسانی کی پیدائش محض کسی اتفاقی حادثہ کی وجہ سے نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کا کوئی پیدا کرنے والا موجود ہے۔ جس نے کسی خاص مقصد اور غرض کے لئے اس کو پیدا کیا ہے۔ موجودہ زمانہ کے فلاسفر اور محققین بھی شہادت دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک مشہور مغربی محقق مسٹر سینل لکھتے ہیں۔ (الف)

۔ ہم اپنی ذہنوں کی بناوٹ کی وجہ سے فطرتی طور پر مجبور ہیں کہ ایک ایسی ہستی پر ایمان رکھیں جو غیر محدود فاعل خود مختار اور غیر متناہی وجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اقرار ہمارے نفسوں میں مضبوطی سے موجود ہے اور یہی وہ عرفان ہے جس کے ذریعہ سے دنیا کی محدود اور فانی اشیاء کے متعلق ہمارا علم تکمیل ہوتا ہے۔"

اسی طرح ایک مشہور سائنس دان مسٹر ولیم ہلٹن لکھتے ہیں۔ (انگریزی حوالہ)

"یعنی اس وامخ علم اور حقیقت کے باوجود کہ ہماری قابلیت اور دائرہ علم کا ملکہ متناہی اور نسبتی امور کے سمجھنے کی حد تک محدود ہے ہمارے نفوس میں ایک عجیب الہامی رنگ میں ایک قادر مطلق ہستی کی موجودگی کا خیال رکھا گیا ہے۔ گو بظاہر اس کا اقرار اور احساس کا وجود خود ایک ناقابل تفہیم معمہ ہے۔"

پس ہر انسان کی فطرت پکار پکار کر مذہب کی ضرورت کا احساس کراتی ہے۔ اس لئے مذہب کی ضرورت سے دانشمند انسان زندگی کی قدر و قیمت سمجھنے والا انسان انکار نہیں کر سکتا۔ پس فطری طور پر انسان کو ہمیشہ مذہب کی ضرورت ہے۔

۲۔ علاوہ ازیں انسان اپنی زندگی کے قیام و بقاء کے لئے بہت سے اسباب اور سہاروں کا محتاج ہے جس طرح انسان کا اپنا جسم مع ذرات جسم کے اور اس کے قویٰ و حواس [illegible] کے اپنے پیدا کردہ نہیں۔ اسی طرح وہ اسباب اور وہ سہارے کہ جن پر اس کی زندگی کے قیام و بقاء کا مدار ہے وہ بھی اس کے اپنے پیدا کردہ نہیں ہیں بلکہ انسان کی پیدائش سے بھی پہلے کے ہیں۔ اور اس کی طرف سے پیدا کردہ ہیں۔ جس نے انسان کو پیدا کیا۔ اگر انسان خود ان اسباب کو بنانا چاہتا تو وہ ان کو اس رنگ میں نہیں بنا سکتا تھا۔ جس رنگ میں اللہ تعالےٰ نے انسان کو بنایا ہے۔ جس طرح ایک مشین کا صرف دیکھنے والا اس کے اندرونی و بیرونی پرزوں اس کی ساخت طریق استعمال اور ذرائع حفاظت سے بغیر اس کے موجد و کاریگر کی اطلاع کے واقف نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ایک انسان اپنے ظاہری و باطنی قویٰ کے طریقہ استعمال اور انکی بقاء کے طریقہ سے اس وقت تک واقف نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس کا پورا علم اس کے خالق و موجد کی جانب سے نہ دیا جائے مذہب ہی وہ چیز ہے جسے اللہ تعالےٰ نے انسان کے باطنی قویٰ کے قیام و بقاء کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ اس امر کے سمجھنے کے لئے ایک چھوٹی سی مثال کافی ہوگی۔ جو مثال خود انسان کی خلقت کے اندر موجود ہے۔ انسان کے ظاہری حواس میں سے آنکھ دیکھنے کا۔ کان سننے کا۔ ناک سونگھنے کا اور پاؤں چلنے کا کام دیتے ہیں۔ لیکن کوئی آنکھ اس وقت تک نہیں دیکھ سکتی جب تک خارجی روشنی اشیاء کا عکس اس آنکھ کے آئینہ پر نہ ڈالے۔ اور کوئی کان اس وقت تک نہیں سن سکتا۔ جب تک انسان کے منہ کی ہوا (آواز) کرۂ ارض کی ہوا میں تموج پیدا نہ کرے۔ کوئی ناک نہیں سونگھ سکتی جب تک ہوا کسی خوشبو کے ذرات خود جذب کر کے ناک کے آلات تک نہ پہنچائے۔ اور کوئی پاؤں اس وقت چل نہیں سکتا جب تک انسان کی کشش انسان کے پورے جسم کے بوجھ کو ایک مرکز ثقل پر نہ قائم کر دے۔ پس گو انسان آنکھ سے دیکھتا کان سے سُنتا اور ناک سے سونگھتا ہے۔ لیکن یہ انسانی قویٰ روشنی و ہوا کی خارجی امداد کے بغیر کام نہیں دے سکتے۔ اسی طرح اس علیم و حکیم خدا کا انتظام انسان کے اندرونی قویٰ کے بارہ میں بھی ہے۔ اور ظاہری قویٰ کے ظاہری انتظامات کے ساتھ ہی یہ بات بآسانی ذہن میں آسکتی ہے کہ جس خدا نے انسان کے ظاہری قویٰ کے قیام کے لئے یہ اسباب پیدا کر دیئے ہیں۔ اسی خدا نے انسان کے باطنی قویٰ کے قیام کے لئے بھی کچھ خارجی اسباب پیدا کئے ہوں گے۔ کوئی معقول آدمی یہ تصور ہی نہیں کر سکتا کہ جس خدا نے آنکھ کے دیکھنے کے لئے سورج چاند ستارے بجلی اور روشنی پیدا کر دی۔ جس نے ناک کے سونگھنے اور کان کے سننے کے لئے ہوا سے کام لیا جس نے انسان کو زمین پر چلنے کے لئے خود زمین قوت کشش پیدا کر دی وہ ذات اندرونی اور باطنی قویٰ کے قیام کے لئے کوئی ذرائع مہیا کرنے سے غافل رہی۔ پس جب باطنی قویٰ کا وجود اور ان کی تربیت و بقا کی احتیاج مسلم ہے۔ تو ان ذرائع و اسباب کا وجود بھی یقینی ہو جاتا ہے۔ جو انسان کی ظاہری و باطنی قویٰ کی ترقی کے لئے ضروری ہیں۔ انہی ذرائع و اسباب کا نام بحیثیت مجموعی مذہب ہے۔ (باقی)